نظام خلافت کیا ہے؟

- **نظام خلافت**، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کے اعلان و اقرار اور قرآن و سنت کی غیر مشروط بالادستی کے عملی نفاذ کا نام ہے۔
- **نظام خلافت**، اسلامی ریاست کے ہر شہری مسلم ہو یا غیر مسلم، کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔
- **نظام خلافت**، اسلامی ریاست کے ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی غذا، لباس، رہائش، علاج و تعلیم وغیرہ کا ذمہ دار ہے۔
- **نظام خلافت**، تمام کائنات اور انسانوں کے خالق و مالک کے ابدی پیغام کو تمام دنیا کے انسانوں تک پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے۔
- **نظام خلافت**، اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کو فوری عدل و انصاف فراہم کرنے کا ضامن ہے۔
- **نظام خلافت**، میں مردوں اور عورتوں کے الگ الگ دائرہ کار معین ہیں۔ یہ نظام عورت کو پورا اختیار دیتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی قائم کردہ ستر و حجاب کی حدود کو پیش نظر رکھتے ہوئے بوقت ضرورت کاروبارِ حیات میں شرکت کر سکے۔
- **نظام خلافت**، عورتوں کی عزت و ناموس کا محافظ اور حقوق نسواں کا پاسبان ہے۔
- **نظام خلافت**، نہ صرف یہ کہ تمام انسانوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام اس نقطۂ نگاہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنے مقصد حیات سے آگاہ ہوں، بلکہ اس کے مطابق ان کی رہنمائی اور مدد بھی کرتا ہے۔
- **نظام خلافت**، مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ جہاد کی روح بیدار کرنے کا ضامن بھی ہے تاکہ حزب الشیطان کے حملوں کا مؤثر جواب دیا جا سکے۔

خلاصہ کلام:

نظامِ خلافت کا قیام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے!

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۵۰

شمارہ : ۲

ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

فروری ۲۰۰۱ء

فی شمارہ ۱۰/-

سالانہ زرتعاون ۱۰۰/-

اس شمارے کی قیمت ۱۶ روپے

ماہنامہ میثاق

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800روپے)

☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات 17 ڈالر (600روپے)

بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان

☆ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر 10 ڈالر (400روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700' فون: 5969501-02-03

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال _____ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ حالات حاضرہ _____ ۵

ملکی و ملی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کے تبصروں پر مشتمل پریس ریلیز

ادارہ

☆ تذکرہ و تبصرہ _____ ۹

انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لئے قرآن کا لائحہ عمل

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ حقیقتِ دین (۳) _____ ۵۷

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ توحیدِ عملی (۸) _____ ۶۷

فریضہ اقامت دین سے ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ منہاج المسلم (۱۲) _____ ۸۹

توحید عبادت

علامہ ابو بکر الجزائری

☆ فکر عجم _____ ۱۰۳

پیش گفتار (۲)

ڈاکٹر ابو معاذ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

وطن عزیز پاکستان اس وقت ایک عجیب افراتفری اور ہڑبونگ کی لپیٹ میں ہے۔ داخلی اور خارجی محاذوں پر حکومت بدحواسی کا شکار نظر آتی ہے۔ وہ بڑے بڑے مسائل جن سے حکومت فی الوقت دوچار ہے' ان میں سرفہرست افغانستان پر یو این او کی جانب سے عائد شدہ پابندیوں کا معاملہ ہے۔ امریکہ اور عالمی طاقتوں کی جانب سے دباؤ ہے کہ پاکستان افغانستان پر پابندیوں کے نفاذ کو یقینی بنائے اور افغانستان سے ہر قسم کا ناطہ توڑ لے۔ دوسری جانب ہماری حکومت خوب جانتی ہے کہ افغانستان سے تعلقات کی خرابی کسی بھی اعتبار سے پاکستان کے مفاد میں نہیں۔ دفاع پاکستان کے نقطہ نگاہ سے افغانستان کے ساتھ اچھے تعلقات کی اہمیت تو مسلم ہے ہی' اسلامی اخوت اور عالمی مسلم برادری کے حوالے سے بھی افغانستان کی مدد کرنا اور ان کا ساتھ دینا ہماری دینی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

اہل پاکستان اور بالخصوص حکومت کے لئے یہ صورتحال ایک نہایت کٹھن امتحان کا درجہ رکھتی ہے۔ یو این کی عائد کردہ پابندیوں کی مخالفت کے نتیجے میں پاکستان پر بھی پابندیاں عائد ہو سکتی ہیں۔ عالمی مالیاتی ادارے پاکستان کا حصہ پانی بند کرنے کا اعلان بھی کر سکتے ہیں جس کے نتیجے میں ڈیفالٹ ہو جانا ہمارا مقدر ٹھہرے گا اور ہماری سسکتی معیشت مزید امتحانات سے دوچار ہو جائے گی۔ ہمارا حکمران طبقہ اس راستے کو "موت کا راستہ" گردانتا ہے۔ جبکہ دوسری صورت میں' یعنی حکومت پاکستان اگر یو این او کی آلہ کار بن کر افغانستان پر پابندیوں کے عملی نفاذ پر کمربستہ ہو جائے تو ملک کی داخلی صورتِ حال انتہائی مخدوش ہو جائے گی۔ تمام اسلام پسند قوتیں حکومت کے خلاف میدان میں نکل آئیں گی اور پر جو کچھ ہو گا اس کا بس تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔

بحمد اللہ تمام دینی جماعتیں افغان ایشو پر مجتمع ہو چکی ہیں اور "دفاع افغانستان کونسل" کا قیام بھی عمل میں آ چکا ہے۔ ابھی توہین رسالت کے ارتکاب پر پشاور سے نکلنے والے انگریزی روزنامے "فرنٹیئر پوسٹ" کا جو حشر دین پسند طبقات نے کیا ہے اس میں حکومت پاکستان ہی کے لئے نہیں امریکہ اور یو این او کے لئے بھی ایک پیغام مضمر ہے۔

ملک میں داخلی طور پر امن و امان کی صورتِ حال پہلے ہی کوئی قابل رشک نہیں ہے۔ کراچی میں پانچ علماء کے قتل عام کے واقعے نے حکومتی انتظامی مشینری کے نقائص کو طشت ازبام کردیا ہے ـــــ ان حالات میں اگر حکومت نے "نوشتہ دیوار" کو پڑھنے میں غفلت اور تساہل سے کام لیا اور ملک کے اسلام پسند طبقات کے جذبات و احساسات کو نظرانداز کرتے ہوئے یو این او اور امریکہ کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالنے کی کوشش کی تو یہ معاملہ نہ صرف ملکی و قومی مفادات کے یکسر خلاف ہوگا بلکہ موجودہ فوجی حکومت کا مستقبل بھی شدید خطرات کی زد میں آجائے گا ـــــ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے حکمران حالات کے رخ کا اندازہ کرنے اور پاکستان کے حقیقی مفادات کا ادراک کرنے میں کسی تساہل اور غفلت کا مظاہرہ نہیں کریں گے اور ملکی تاریخ کے اس نازک موڑ پر ہمت و جرأت سے کام لے کر اللہ کی نصرت کے بھروسے پر عالمی اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف آہنی چٹان ثابت ہوں گے اللھم وفقھم لھذا۔

☆ ☆ ☆

گزشتہ ماہ کی ۲۸ تاریخ کو تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام انٹرنیشنل خلافت کانفرنس کا انعقاد پروگرام' لاہور کے جدید ترین' وسیع ترین اور خوبصورت ترین آڈیٹوریم "ایوان اقبال" میں عمل میں آیا۔ بلاشبہ مقررین کی بروقت شرکت' سامعین کی کثرت تعداد' نظم وضبط اور موضوع کے اعتبارات سے یہ ایک تاریخی کانفرنس تھی کہ ایوان اقبال اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگی داماں کی شکایت کرتا نظر آیا اور صبح ساڑھے نو بجے سے رات ۹ بجے تک ایک جشن کا سماں رہا۔ اس کانفرنس کی تفصیلی باتصویر رپورٹ "ندائے خلافت" کے آئندہ شمارے میں ملاحظہ کی جاسکے گی۔

☆ ☆ ☆

قارئین توجہ فرمائیں!

زیر نظر شمارہ جنوری اور فروری ۲۰۰۱ء کا مشترک شمارہ ہے۔ بعض وجوہات جن میں رمضان المبارک کی مصروفیات اور کچھ انتظامی سقم شامل ہیں' کے باعث جنوری کا شمارہ شائع نہیں کیا جاسکا جس کے لئے ہم سراپا معذرت ہیں۔ زیر نظر شمارے کی ضخامت میں نمایاں اضافہ کردیا گیا ہے جس سے توقع ہے کہ اس کوتاہی کی کسی قدر تلافی ممکن ہوسکے گی۔ (ادارہ)

ملکی، ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

خطاباتِ جمعہ (مسجد دارالسلام لاہور) کے پریس ریلیز کے آئینے میں

''افغانستان پر یو این او کی پابندیاں پاکستان کے لئے بھی ایک کڑے امتحان کا درجہ رکھتی ہیں''

5 جنوری کا خطاب جمعہ

افغانستان میں نفاذ شریعت کے باعث نمودار ہونے والی حکومت اسلامی کے نوخیز پودے کو اکھاڑنے کے لئے پورا عالم کفر متحد ہو چکا ہے' جس کا نمایاں ترین مظہر یو این او کی حال ہی میں منظور ہونے والی قرارداد ہے جس میں افغانستان پر سخت ترین پابندیاں عائد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ صورتحال افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان کے لئے بھی ایک کڑے امتحان کا درجہ رکھتی ہے کہ وہ کفر کی قوتوں کا ساتھ دے یا اسلام کا ساتھ دے' لیکن اگر موجودہ حکومت نے اقوام متحدہ کی طرف سے افغانستان پر عائد ہونے والی پابندیوں کی تازہ قرارداد پر عمل درآمد کیا تو پورے ملک خصوصاً پختون بیلٹ میں اس کے خلاف شدید ردعمل ظاہر ہو گا جو نہ صرف پاکستان کی سالمیت اور مستقبل کے حوالے سے خوفناک ہو گا بلکہ ہماری غیرت دینی کا جنازہ نکلنے کے بھی مترادف ہو گا۔

عالم کفر نے جس کا بڑا حصہ عیسائی آبادی پر مشتمل ہے' پہلے عیسوی ہزار سال کے خاتمہ پر صلیبی لشکروں کی صورت میں اسلام کے خلاف یلغار شروع کی تھی اور اب دوسرا ہزار سال ختم ہونے پر یہ صلیبی قوتیں دوبارہ عالم اسلام پر یلغار کی تیاریوں میں ہیں۔ ایسے میں انہیں اصل خطرہ افغانستان اور پاکستان سے ہے کہ وہ ان کی راہ میں مزاحم ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ ایک طرف افغانستان پر پابندیاں عائد کر کے اس کی قوت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف پاکستان میں بھی حکومت اور دینی طبقات کے درمیان نزاع پیدا کر کے پاکستان کو کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان پابندیوں کے حوالے سے پاکستان ایک نازک دوراہے پر کھڑا ہے۔ چنانچہ اگر پاکستان عالم کفر کا ساتھ دیتا ہے تو ہماری دینی غیرت و حمیت کے خاتمہ اور پاکستان میں اس کے ردعمل

کے طور پر ہونے والے خلفشار کے نتیجے میں ملک کمزور ہو گا اور افغانستان بھی تمہارہ جائے گا' جب کہ یو این او کے خلاف ڈٹ کر کھڑے ہونے میں بھی فوری طور پر ظاہری مشکلات کا سامنا ہو گا۔ میرے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ ہم کفر کی آلہ کار یو این او کی بالادستی کا انکار کر کے اپنا مسلم بلاک بنانے پر توجہ مرکوز کریں۔ اسی راستے سے اللہ کی مدد بھی ہمیں حاصل ہو سکے گی۔ چنانچہ ان حالات میں دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری حکومت کو صحیح راہ اختیار کرنے اور کفر کی سازشوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فلسطین میں حالات گھمبیر ترین صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور مشرق وسطیٰ میں امن کا کوئی امکان بظاہر نظر نہیں آتا۔ صدر کلنٹن نے اس مسئلے کا جو حل پیش کیا ہے وہ نہ تو یہودی تسلیم کرنے کو تیار ہیں اور نہ ہی مسلمان۔ کیونکہ اس حل کے مطابق فلسطین کی آزاد ریاست چند جزیرہ نما خطوں پر قائم ہو گی' مشرقی یروشلم کا کچھ حصہ اور مسجد اقصیٰ بھی فلسطینی حکومت کے زیر انتظام رہیں گے۔ البتہ گنبد صخرہ جہاں یہودی تھرڈ ٹیمپل تعمیر کرنا چاہتے ہیں اسرائیل کے پاس رہے گا' اور گنبد صخرہ وہ مقام ہے جس سے نہ مسلمان دستبردار ہوں گے اور نہ یہودی ہی اسے مسلمانوں کے حوالے کریں گے۔ لہٰذا اس تنازعہ کے نتیجے میں وہ خوفناک جنگ اب بہت قریب ہے جسے احادیث میں الملحمۃ العظمیٰ کہا گیا ہے۔ اگرچہ اس جنگ کے نتیجے میں عربوں کو بہت نقصان ہو گا لیکن آخر کار نئی صبح طلوع ہو گی اور حضرت عیسیٰؑ و مہدی کے ظہور کے بعد کل روئے ارضی پر دین اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

"افغانستان میں مرتد کی شرعی سزا کے نفاذ کا فیصلہ ایک بروقت قدم ہے"

12 جنوری کا خطاب جمعہ

افغانستان میں قتل مرتد کی سزا کا نفاذ شریعت کے مطابق ہے اور ملا عمر کا یہ فیصلہ بالکل صحیح اور بروقت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ افغانستان پر اقوام متحدہ کی طرف سے عائد پابندیوں کے باعث وہاں کے عوام بھوک اور افلاس کا شکار ہیں اور غیر ملکی این جی اوز ان کی امداد کے پردے میں انہیں عیسائی بنانے پر تلی ہوئی ہیں۔ ان حالات میں پوری دنیا کے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس مشکل وقت میں نقد رقوم' غذا اور دوائیوں وغیرہ کی صورت میں اپنے افغان بھائیوں کی ہر ممکن مدد کریں۔ افغانستان پر یو این او کی جانب سے عائد کی جانے والی تازہ پابندیوں کے رد عمل کے طور پر اکوڑہ خٹک میں منعقد ہونے والی کانفرنس انتہائی کامیاب

رہی۔ جس میں تمام دینی جماعتوں کے رہنماؤں اور چوٹی کے علماء نے متفقہ طور پر ان پابندیوں کو مسترد کر دیا ہے۔ افغانستان کی امداد کے لئے ڈیفنس کونسل کا قیام بھی انتہائی مستحسن قدم ہے۔ اس کونسل کے ذریعے ہم اپنے افغان بھائیوں کی جتنی مدد کر سکیں ہمیں اپنا حصہ ضرور ڈالنا چاہئے۔ اس ضمن میں تنظیم اسلامی نے بھی طالبان کی مدد کے لئے ایک فنڈ قائم کیا ہے۔ اس فنڈ کے لئے حبیب بنک گڑھی شاہو کے کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 86-1521 میں رقوم بھجوائی جا سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں اب تک جمع ہونے والی دس لاکھ روپے کی پہلی قسط افغان سفیر کے حوالے کر دی گئی ہے۔

دورۂ پاکستان کے لئے حریت کانفرنس کے رہنماؤں پر مشتمل جو وفد تشکیل دیا گیا ہے اس میں کشمیر کی پاکستان میں شمولیت کے مخالف حضرات کا اکثریت میں ہونا خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ آزاد کشمیری ریاست کے قیام کے ضمن میں بہر صورت اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے پر تلا ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کو گلگت اور بلتستان سے محروم کرنا امریکہ کے پیش نظر ہے۔ لہٰذا ہمیں اس مسئلے کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کرنے کے لئے دباؤ بڑھانا چاہئے تاکہ جنوبی ایشیا میں پچاس سال سے موجود تناؤ کی یہ کیفیت ختم ہو اور امریکہ کو اپنا شیطانی منصوبہ پورا کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

پی ٹی وی پر کرسمس کے پروگراموں میں عیسائی پادریوں کی طرف سے کھلم کھلا حضرت عیسیٰ ؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دینے کی جسارت پر ہم شدید احتجاج کرتے ہیں کہ یہ حرکت خلاف اسلام ہی نہیں، دستور پاکستان کے بھی خلاف ہے۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ از روئے قرآن اللہ کے غضب کو بھڑکانے کا موجب ہے۔ دستور پاکستان کی رو سے عیسائیوں کو اپنے گرجوں اور اپنے مذہبی اجتماعات میں اپنے عقائد کا پرچار کرنے کی آزادی تو ہے لیکن آئین پاکستان کی رو سے عام پبلک میں بھی اپنے نظریات کے پرچار کے مجاز نہیں ہیں، کجا یہ کہ سرکاری سرپرستی میں چلنے والے پی ٹی وی پر کھلے عام ان کے گمراہ کن نظریات کا پرچار کیا جائے۔

"نظام خلافت کے قیام کے بغیر "بندگی رب" نامکمل رہتی ہے

26 جنوری کا خطاب جمعہ

پاکستان ہی نہیں پوری امت مسلمہ کے مسائل کا حل نظام خلافت کے قیام میں مضمر ہے۔ اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے جدوجہد نہ کرنا اور باطل نظام کو ذہناً و قلباً قبول کر لینا ایک نوع

کا سیاسی شرک ہے۔ بندگی رب کی تکمیل صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب اجتماعی نظام زندگی میں بھی رب ہی کی اطاعت ہو۔

پاکستان کے تمام مسائل کا اصل سبب بھی یہی باطل نظام ہے جو نصف صدی سے زائد عرصے سے ہم پر مسلط ہے۔ محض چہرے بدلنے یا حکومت کی تبدیلی سے مسائل حل نہیں ہوں گے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ پچاس برسوں میں مختلف قومی مسائل کے حوالے سے چلائی جانے والی تحریکوں کے ذریعے حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ تو ضرور ہوئی لیکن آج تک بہتری کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکی۔ جب تک یہاں کامل اسلامی انقلاب کی صورت میں جاگیرداری نظام اور سود کا خاتمہ نہیں ہو گا یہاں کے عوام اسی طرح ظلم و ناانصافی اور مہنگائی و گرانی کی چکی تلے پستے رہیں گے۔

آج طاغوتی طاقتیں جن کی سرپرست صیہونیت ہے، اسلام کے عادلانہ نظام سے خوفزدہ ہیں، وہ نہیں چاہتیں کہ دنیا میں کہیں اسلامی نظام قائم ہو۔ عالمی طاقتیں جانتی ہیں کہ اسلامی نظام کے قیام کی صورت میں استحصالی ہتھکنڈوں کے ذریعے پوری دنیا کو یہودیوں کا غلام بنانے کا ناپاک منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔ اسی خوف کے باعث افغانستان کی اسلامی حکومت پر اقتصادی پابندیاں عائد کی گئی ہیں تاکہ افغان عوام بھوک اور افلاس سے تنگ آ کر طالبان کے خلاف بغاوت کر دیں اور اسلام سے متنفر ہو جائیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ اسلامی نظام کی برکات کے باعث بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد طالبان حکومت کے شامل حال ہو گی اور انہیں ان سخت مشکل حالات میں بھی اللہ تعالیٰ سرخروئی عطا فرمائیں گے۔ تاہم پاکستانی عوام کا امتحان یہ ہے کہ اس مشکل وقت میں ہم اپنے افغان بھائیوں کی ہر ممکن مدد کریں۔ اسی طرح حکومت پاکستان کو عالمی مالیاتی اداروں اور یو این او کی اس غنڈہ گردی پر ان کے خلاف اعلان بغاوت کرتے ہوئے ملک میں اسلامی نظام کے قیام اور اپنے افغان بھائیوں سے اظہار یکجہتی کا فی الفور اعلان کر دینا چاہئے۔ پاکستان میں افغانستان کے سفیر ملا عبدالسلام ضعیف کا حالیہ بیان مبنی بر حقیقت ہے کہ امریکہ اور اسلام دشمن عالمی طاقتوں کا اصل ہدف پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہے جس کے باعث ان کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان اور افغانستان مل کر اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں کو ناکام بنائیں۔

انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لئے قرآن کا لائحہ عمل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کا ۳۱/ دسمبر ۲۰۰۰ء کا خطاب عام

بمقام قرآن آڈیٹوریم لاہور

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم○

﴿ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ○ ﴾ (البقرۃ : ۲۱)

﴿ اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ○ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ○ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ○ ﴾ (نوح : ۱-۳)

﴿ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط ﴾

(الاعراف : ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵)

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ○ ﴾ (الشعراء : ۱۰۸، ۱۲۶، ۱۴۴، ۱۶۳)

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ○ ﴾ (الذاریات : ۵۶)

﴿ وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ○ ﴾ (البینۃ : ۵)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین و محترم خواتین! صرف یاد دلا رہا ہوں کہ نہ صرف آج سن ۲۰۰۰ عیسوی کا آخری دن ہے بلکہ بیسویں صدی کا بھی آخری دن ہے۔ اصل میں اکیسویں صدی کل یکم جنوری ۲۰۰۱ء سے شروع ہو رہی ہے' جبکہ عیسائیوں کا ملینیم ایک سال پہلے شروع ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عیسوی کیلنڈر بنایا جا رہا تھا تو بنانے والے سے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ وہ یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش ۲۵ دسمبر کو ہوئی تھی اور انہوں نے کیلنڈر یکم جنوری سے شروع کیا جو ۲۵ دسمبر کے چھ دن بعد آئی۔ گویا کہ سن عیسوی کا پہلا سال درحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے چھ سات دن بعد شروع ہوا۔ اسی لئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سن ایک قبل مسیح میں ہوئی۔ یہ ایک عجیب تماشا ہے جو ان کے ہاں چل رہا ہے۔ ان کے ہاں ملینیم کے اعتبار سے جو مذہبی تصورات ہیں ان کے مطابق وہ ہزار سال اب شروع ہو رہا ہے کہ جس میں زمین پر آسمان کی بادشاہت آنے والی ہے۔

Thy kingdom come,
Thy will be done on earth as it in heavens.

ان کے عقیدے کے مطابق دو ملینیم ختم ہونے کے بعد تیسرے ملینیم میں پورے کرۂ ارضی پر اللہ کی حاکمیت قائم ہونے والی ہے۔ ملینیم کو تو وہ ایک سال پہلے منا چکے ہیں' celebrate کر چکے ہیں' حالانکہ اکیسویں صدی درحقیقت کل سے شروع ہونے والی ہے۔ بہرحال آج اس دن کی مناسبت سے اور خاص طور پر رمضان المبارک کے دوران اس کی برکتوں اور سعادتوں سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس پر ایک نگاہِ بازگشت کے طور پر میں آج یہ چاہتا ہوں کہ اپنے دینی فکر کا ایک مکمل خلاصہ آپ کے سامنے رکھوں۔

میرے دینی فکر کے اجزاء آپ حضرات کے لئے کوئی نئے نہیں ہیں۔ یقیناً آپ میں سے اکثریت ایسے حضرات پر مشتمل ہے جو بہت مرتبہ میری تقاریر' میری گفتگوئیں' دروسِ قرآن' خطباتِ جمعہ اور خطباتِ عید سن چکے ہیں۔ لہٰذا جہاں تک اجزاء کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ علیحدہ علیحدہ تو معلوم اور معروف ہیں' بلکہ بتکرار و اعادہ سامنے آئے ہیں' لیکن میں آج انہیں جامع اور مانع شکل میں آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔

جامع اور مانع منطق کی دو اصطلاحات ہیں کہ کسی شے کو define کرنا ہو تو اس کی جو تعریف (definition) ہونی چاہئے وہ جامع بھی ہو اور مانع بھی۔ جامع اس اعتبار سے کہ اس شے کی حقیقت کا کوئی جزو اس تعریف سے باہر نہ رہے' یعنی وہ اس کے تمام پہلوؤں کو جمع کر لے کہ وہ جامع ہو جائے۔ اور مانع اس طرح سے ہو کہ کوئی شے اس کے خلاف اس میں داخل نہ ہونے پائے۔ اسی طرح گویا کہ جامع اور مانع تعریف وہ کہلاتی ہے کہ جو بالکل کسی شے کو معین کر دے کہ اس کے تمام اجزاء اس میں شامل ہوں اور کوئی شے جو اس کے منافی ہو اس میں شامل نہ ہو سکے۔ میری آج یہ کوشش ہے اور اس پر میں اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتا ہوں۔ اَستعین اللّٰہ و اَستنصرہ و ھو الموفق و المستعان۔ ظاہر بات ہے اسی سے مدد اور نصرت چاہی جا سکتی ہے۔ تو میری خواہش یہ ہے کہ میں آج اپنی دینی سوچ اور فکر کا جامع اور مانع خلاصہ آپ کے سامنے رکھوں۔

قرآن حکیم کی اصل دعوت : "عبادتِ رب"

جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں نے قرآن حکیم سے جو ایک لفظ منتخب کیا ہے وہ ہے "عبادت رب"۔ اس لئے کہ میرے نزدیک عبادتِ رب دعوتِ قرآنی کا اوّلین عنوان بھی ہے اور جامع ترین بھی۔ باقی کی تمام چیزیں اسی کی شرح میں' اسی کے ذیل میں اور اسی کے مراحل کے طور پر آئیں گی۔ دعوتِ قرآنی کا جامع ترین اور اوّلین عنوان عبادت رب ہے۔ اسی لئے میں نے انہی آیات کا انتخاب کیا ہے جن میں یہ لفظ آیا ہے۔ ویسے تو جو حضرات رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن میں شریک رہے ہیں انہوں نے بہت حد تک اسے سمجھا بھی ہو گا اور یہ بھی دیکھا ہو گا کہ یہ لفظ قرآن مجید میں کس تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ میں نے ان چند آیات کا انتخاب اس حوالے سے کیا ہے کہ سب سے پہلے تو یہ بات ہمارے سامنے آجائے کہ قرآن کی دعوت کا پہلا نکتہ کیا ہے!

قرآن مجید کا آغاز سورۃ الفاتحہ سے ہوتا ہے۔ یہ گویا کہ پورے قرآن کے لئے بمنزلہ تمہید ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا تلقین فرمائی ہے۔ اس میں سات آیتیں ہیں' جن کو ﴿ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْآنَ الْعَظِیْمَ ﴾ کہا گیا ہے۔ اس کی مرکزی آیت ہے

﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ ﴾ "(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں"۔ اس لئے کہ تیری عبادت کا تقاضا پورا کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ہم نے اس کا ارادہ کرلیا ہے۔ ہم نے تجھے پہچان لیا ہے اور یہ جان لیا ہے کہ ساری تعریفوں کا سزاوار تو ہی ہے۔ ہم نے جان لیا ہے کہ تو ہی تمام جہانوں کا پالنہار اور پروردگار ہے۔ ہم نے جان لیا ہے کہ تو رحمٰن اور رحیم ہے۔ ہم نے جان لیا ہے کہ تو جزا و سزا کے دن کا مختار مطلق ہے۔ لہٰذا ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم تیری ہی بندگی کریں گے، تیری ہی عبادت کریں گے، لیکن ہمیں معلوم ہے کہ ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

چنانچہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگ رہے ہیں کہ عبادت کے تقاضے پورے کرنے میں ہماری مدد فرما۔ قرآن مجید کا دیباچہ، خلاصہ، اُمّ القرآن، اساس القرآن، الکافیہ اور الشافیہ سورۃ الفاتحہ ہے اور اس کا مرکزی تصور ﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ ﴾ ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے بعد آگے چلئے ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ ﴾ کا جواب آرہا ہے۔ اس ضمن میں سورۃ البقرۃ کے پہلے دو رکوعوں میں تین قسم کے اشخاص کی صرف شناخت کرا دی گئی ہے۔ اوّلاً وہ کہ جنہوں نے قرآن کی ہدایت سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ان کا ذکر اِن الفاظ میں کیا گیا: ﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ "یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔" ثانیاً وہ کہ جنہوں نے اپنے دلوں اور ذہنوں کے دروازے ہدایت قرآنی سے بند کر کے ان پر تالے لگا دیئے ﴿ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ اور وہ اپنے تعصب، ہٹ دھرمی، تکبّر اور حسد کی وجہ سے ہدایت قرآنی سے محروم ہو گئے۔ ان کے بارے میں فرمایا:

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰی سَمْعِهِمْ وَ عَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾

"اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے"۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

"انسانوں میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کہتے تو ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر' لیکن وہ حقیقتاً مؤمن نہیں ہیں"۔

یہاں سب سے زیادہ بحث تیسرے طبقے سے متعلق ہوئی ہے۔ پہلے رکوع میں دو طبقوں کا ذکر ہو گیا' جبکہ دوسرا رکوع پورے کا پورا اس تیسرے طبقے کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس طبقے کا بتمام و کمال اطلاق یا تو منافقین پر تھا یا اُس وقت کے علماء یہود پر تھا' لیکن اس سے کم تر درجے میں وہ لوگ بھی اس زمرے میں آتے ہیں جو ضعف ایمان میں مبتلا ہیں' جن کے بارے میں سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ﴾ یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے اندر نیکیاں اور بدیاں جمع کر لیتے ہیں۔ یہ اصل میں اس بیماری کے مختلف shades ہیں۔ منافقین میں یہ بیماری درجہ بدرجہ بڑھتی جاتی ہے۔ ﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ﴾ بدقسمتی سے ہم میں سے عظیم اکثریت اسی مرض کے کسی نہ کسی shade میں مبتلا ہے' لہٰذا اس کا شمار اسی زمرے میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد قرآن مجید کی دعوت شروع ہوتی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

"اے بنی آدم! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلوں کو بھی پیدا کیا تاکہ تم بچ سکو۔"

میں ابھی "عبادت" کے لفظ کو جوں کا توں رکھ رہا ہوں' اس کا ترجمہ نہیں کر رہا' اس لئے کہ ہمارے پاس کوئی ایک لفظ ایسا موجود نہیں ہے جو اس کی ترجمانی کا حق ادا کر سکے۔ "مِنْ قَبْلِكُمْ" خاص طور پر اس لئے کہا گیا کہ رسولوں کی دعوت کے جواب میں اُن سے اُن کی قوموں نے اکثر و بیشتر جو بات کہی وہ یہی ہوتی تھی کہ ہم نے تو اپنے آباء و اَجداد کو یہی کرتے ہوئے پایا تھا جو ہم کر رہے ہیں۔ گویا کہ ان کی طرف سے دلیل یہ تھی کہ ہم اپنے آباء و اَجداد کی رسومات کو کیسے چھوڑ دیں؟ یہاں اس بات کی نفی کرتے ہوئے کہا گیا

ہے کہ جیسے تم مخلوق ہو ویسے ہی تمہارے آباء و اَجداد بھی مخلوق تھے' جیسے تم سے غلطی ہو سکتی ہے ویسے ان سے بھی ہو سکتی ہے' لہٰذا تمہیں ان کی پیروی نہیں کرنی' بلکہ پیروی تو اُس کی کرنی ہے جو خود بھی سیدھے راستے پر ہو اور تمہیں بھی سیدھا راستہ دکھائے' یا جو حق تم پر منکشف ہو جائے اسی کی پیروی کی جائے۔

"لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کا ترجمہ عام طور پر کر دیا جاتا ہے "تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے"۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ دراصل "وَقٰی' یَقِیْ" کے عربی زبان میں معانی ہیں کسی کو بچانا۔ اس کو یاد رکھنے کے لئے آسان ترین حوالہ "وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" ہے۔ یعنی "اے اللہ ہمیں آگ کے عذاب سے بچائیو!"۔ "وَقٰی' یَقِیْ" کے کا معنی بچانا اور "اِتَّقٰی' یَتَّقِیْ" کا معنی بچنا ہے۔ اسی طرح "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کے معانی ہوں گے "تاکہ تم بچ سکو۔" کس چیز سے بچ سکو؟ اس دنیا کی زندگی میں افراط و تفریط کے دھکوں سے بچ جاؤ گے اور صراطِ مستقیم تمہیں میسر آجائے گا اور آخرت میں اللہ کے غضب اور اس کی سزا سے بچ جاؤ گے اور اس کی رحمت و مغفرت کے امیدوار بن سکو گے۔ قرآن کی دعوت کا نکتہ اوّلین یہ ہے۔

دوسری آیت میں نے سورۂ نوح کی تلاوت کی ہے' اس لئے کہ رسولوں کی تاریخ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ حضرت نوحؑ سے پہلے حضرت آدمؑ بھی تھے' حضرت شیثؑ بھی تھے' حضرت ادریسؑ بھی تھے' لیکن وہ نبی تھے' رسول نہیں تھے۔ پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام تھے اور آخری رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آخری رسول کی دعوت یہ ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

اور پہلے رسول کی دعوت کیا تھی؟ یہ سورۂ نوح کی ابتدائی تین آیات میں بیان ہوئی:

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ ﴾

"یقیناً ہم نے نوح کو بھیجا تھا اس کی قوم کی جانب (اس ہدایت کے ساتھ) کہ خبردار کر دو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ اُن پر دردناک عذاب ٹوٹ پڑے۔ اس نے کہا: اے میری قوم! میں یقیناً تمہارے لئے ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔ (تم کو آگاہ کرتا ہوں) کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!"

چنانچہ یہی "عبادتِ رب" پہلے رسول کی دعوت تھی اور یہی آخری رسول کی دعوت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ سے پہلے کے تمام رسولوں کی دعوت صرف اپنی قوم کی طرف تھی اور آپؐ کی دعوت پوری نوعِ انسانی کی طرف ہے۔ چنانچہ پہلے رسولوں کی دعوت کے ضمن میں الفاظ آتے ہیں: ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ ﴾ اور ﴿ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ﴾ اور ﴿ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ﴾ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت چونکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے ہوئی ہے لہٰذا یہاں لفظ "یٰقَوْمِ" نہیں آیا بلکہ "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ" آیا ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

مکی سورتوں میں سورۃ الاعراف اور سورۃ الشعراء اس اعتبار سے بہت نمایاں ہیں کہ سورۃ الاعراف حجم کے اعتبار سے سب سے بڑی مکی سورۃ ہے' اس کے ۲۴ رکوع ہیں' اور سورۃ الشعراء تعدادِ آیات کے اعتبار سے سب سے بڑی سورت ہے' اس کی ۲۲۷ آیات ہیں' جبکہ سورۃ الاعراف کی ۲۰۷ آیات ہیں۔ ان دونوں سورتوں میں ایک ایک رسول کا تذکرہ ایک ایک رکوع پر محیط ہے۔ حضرات نوح' ہود' صالح اور شعیب علیہم السلام کے لئے ایک ایک رکوع ہے۔ سورۃ الاعراف میں چار مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ ﴾ (آیات ۵۹' ۶۵' ۷۳' ۸۵) چنانچہ نوح علیہ السلام کی دعوت بھی یہی تھی اور ہود' صالح اور شعیب علیہم السلام کی دعوت بھی یہی تھی۔ سورۃ الشعراء میں پانچ مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ ﴾ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔"

اس سے آگے چل کر تیسرا نکتہ یہ ہے کہ از روئے قرآن انسانوں اور جنّوں کی تخلیق کی غایت یہی "عبادت" تھی۔ یہاں میں چاہوں گا کہ دو الفاظ علیحدہ علیحدہ سمجھ لئے

جائیں۔ ایک ہے غایت تخلیق اور ایک ہے علت تخلیق اور ان دونوں میں فرق ہے۔ علت تخلیق یہ کہ اللہ نے کیوں پیدا کیا؟ کس وجہ سے پیدا کیا؟ کس لئے پیدا کیا؟۔ یہ بہت بڑا فلسفیانہ سوال ہو جائے گا اور قرآن مجید فلسفیانہ سوالات سے کھل کر بحث نہیں کرتا۔ البتہ کس مقصد کے لئے پیدا کیا! یہ غایت تخلیق ہے۔ انسانوں اور جنّوں کی غایت تخلیق سورۃ الذاریات میں بایں الفاظ بیان ہوئی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ ﴾

"میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف اس لئے کہ میری عبادت کریں"۔

تلاوت کردہ آیات میں آخری آیت سورۃ البیّنہ کی یہ آیت ہے:

﴿ وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ○ ﴾ (البینۃ : ۵)

"اور انہیں نہیں حکم دیا گیا تھا مگر اس کا کہ عبادت کریں صرف اللہ کی' اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ' اور یہ ہے ہمیشہ کا قائم و دائم دین"۔

یوں سمجھئے یہ دین کا خلاصہ ہے۔ یہی "دینِ قیّم" ہے جو آغاز سے اختتام تک ایک ہی رہے گا۔ یہ دین آدم سے لے کر اس دم تک بلکہ تاقیامِ قیامت ایک ہی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى . . . ﴾

"اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا' اور جسے (اے محمدؐ) اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعے بھیجا ہے' اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں..."

چنانچہ دین تو سب کا ایک ہی ہے۔ میں نے قرآن مجید کے یہ حوالے اس لئے دیئے ہیں تاکہ یہ نکتہ واضح ہو جائے کہ ایک اصطلاح جو قرآن مجید کی دعوت کے اعتبار سے اوّلین اہمیت کی حامل بھی ہے اور جامع ترین عنوان کی حیثیت بھی رکھتی ہے وہ ہے "عبادتِ

رب" یا "اللہ کی عبادت"۔

"عبادت" اور "عبادات" کا فرق

اب دیکھئے اصل میں ہمارے ہاں تصورات کے اندر جو خرابی اور کجی پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ ہم نے "عبادت" اور "عبادات" ان دونوں کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج عبادات ہیں لیکن عبادت فی الاصل کوئی اور شے ہے' جبکہ ہمارا تصور عبادت صرف انہی چند مراسم عبودیت تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ ہمارے دینی فکر کی سب سے بڑی اور سب سے بنیادی کجی ہے ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریّا می رود دیوار کج!

یعنی اگر کسی عمارت کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہے تو ساری عمارت چاہے آسمان تک بلند ہو' جو بھی تعمیر ہو گی وہ ٹیڑھی ہی ہو گی۔ اصل بنیادی بات یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کو گڈمڈ کر دیا ہے۔

عبادت کا لفظ "عبد" سے بنا ہے۔ عبد کے معنی غلام (slave) کے ہیں اور غلام بھی پرانے زمانے کا تصور کیجئے' آج کے نہیں' جب کہ ایک غلام (slave) ایک فرد کا مملوک ہوتا تھا' اس کی ملکیت ہوتا تھا۔ آقا اور غلام کی جو نسبت تھی وہ آج نہ ہمارے سامنے موجود ہے اور نہ ہی ہمارے تجربے میں ہے۔ ہمارے ہاں یہ تو ضرور ہے کہ فلاں قوم حاکم ہے' فلاں غلام ہے' لیکن اس صورت میں آقا اور غلام کا انفرادی رشتہ نہیں ہوتا۔ ہاں' بحیثیت مجموعی ایک قوم غلام ہو گئی ہے' لیکن انفرادی اعتبار سے وہ جو آقا اور غلام میں رشتہ تھا وہ تو موجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس تصور کو سمجھ لیجئے کہ "عبد" ہوتا کیا تھا؟ یعنی غلام کسے کہتے تھے؟

اوّلاً آقا اپنے غلام کا مالک ہوتا تھا۔ آقا نے اسے اگر رات کو سونے کے لئے کوئی کوٹھڑی دے رکھی ہے یا کوئی چارپائی دے دی ہے تو وہ ان اشیاء کا مالک نہیں ہو جاتا تھا۔ وہ تو خود مملوک ہے' لہٰذا اس کی ہر شے اس کے مالک کی ہے۔ جیسے کہ ایک بزرگ صحابی نے حضور ﷺ سے اپنے بیٹے کی شکایت کی کہ یہ میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا حالانکہ

یہ اچھا بھلا صاحب حیثیت ہے۔ حضور ﷺ نے اس نوجوان صحابی کو گریبان سے پکڑا اور اس کا گریبان اس کے والد کے ہاتھ میں دے کر فرمایا: ((اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ)) "تو خود اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے"۔ یہ انداز بتمام و کمال ایک غلام کا ہوتا تھا جو اپنے آقا کی ملکیت ہوتا تھا۔ چنانچہ غلام کا کام تھا کہ آقا جو حکم بھی دے اس پر سر تسلیم خم کرنا ہے' چاہے اس میں جان ہی چلی جائے۔

دوسرے یہ کہ آج کل ہمارا آجر و مستأجر کے باہمی تعلق (Employer-employee relationship) کا تصور بالکل مختلف ہے۔ اگر آپ نے کسی کو اپنے ہاں خانساماں کی حیثیت سے ملازم رکھا ہے اور آپ اسے کہیں کہ جاؤ میرا غسل خانہ صاف کر آؤ تو وہ صاف جواب دے سکتا ہے کہ جناب یہ میرا کام نہیں' آپ نے جس کام کے لئے مجھے رکھا ہے وہ کام لیجئے۔ لیکن غلام کا یہ کام نہیں تھا کہ وہ کسی وجہ سے انکار کرے۔

پھر ہمارے ہاں ملازمت کے قواعد و ضوابط میں وقت کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ آپ گورنمنٹ کے ملازم ہیں تو جو بھی آٹھ گھنٹے دفتر کا وقت ہے اس میں آپ کام کیجئے' اس کے بعد آپ فارغ ہیں۔ آپ کا آفیسر اور باس اس وقت تک آپ کا آفیسر ہے جب تک دفتر میں ہے۔ دفتر سے باہر آنے کے بعد اب وہ بھی عام شہری ہے اور آپ بھی عام شہری ہیں۔ اس کا بھی الیکشن میں آپ کی طرح ایک ہی ووٹ ہو گا۔ آپ کا باس اگر آپ سے دفتری اوقات کے بعد بھی کام لینا چاہے تو آپ اسے انکار بھی کر سکتے ہیں کہ میرا وقت ختم ہو گیا ہے' میں مزید کام کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن غلام کا کام یہ نہیں' وہ تو ہمہ وقت' ہمہ تن خادم ہے۔ اسے جو حکم ملے اس پر اسے عمل کرنا ہے۔

عبدیت (غلامی) کے اس تصور کو ذہن میں رکھئے' لفظ عبادت اس سے بنا ہے۔ یعنی "عبادت" کے قریب ترین کوئی لفظ اگر آئے گا تو وہ غلامی کا لفظ آئے گا۔ تاہم یہ لفظ بھی قریب ترین ہے' عبادت کی پوری حقیقت اس میں بھی ادا نہیں ہو رہی۔ اس کی وضاحت بعد میں ہو جائے گی۔ چنانچہ قرآنی آیات میں جہاں بھی عبادت کا لفظ آیا ہے وہاں ان کے ترجمے میں غلامی کا لفظ استعمال کیا جانا چاہئے ﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾ "اللہ کی غلامی اختیار کرو"۔ تب ہی کسی حد تک اس کا مفہوم ادا ہو گا' ورنہ عبادت کا ترجمہ جب ہم عبادت ہی رکھ لیتے ہیں تو ذہن میں وہی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ ہی آئے گا۔ "عبادت" اور

"عبادات" کا فرق سورۃ البیّنہ کی اس آیت سے بخوبی واضح ہوتا ہے : ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ ﴾ اس کے درمیان میں یہ جو حرف "و" ہے یہ حرف عطف کہلاتا ہے اور عربی نحو کی رو سے عطف دو مختلف اور مغائر چیزوں کو جوڑتا ہے' جیسے "میں اور وہ"۔ ظاہر بات ہے "میں" اور ہوں "وہ" اور ہے۔ مطعوف علیہ اور معطوف کے مابین مغائرت لازم ہے۔ تو معلوم ہوا ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ ﴾ اور شے ہے اور ﴿ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ اور شے ہے۔

اب یہ سمجھ لیجئے کہ "عبادت" اور "عبادات" کے مابین کیا رشتہ اور ربط و تعلق ہے۔ درحقیقت اس عظیم فریضہ "عبادت" کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ عبادات تسہیل اور آسانی کے لئے تجویز کی ہیں کہ ان کے ذریعے اس کی یاددہانی ہوتی رہے۔ مبادا تم بھول جاؤ' لہٰذا دن میں پانچ مرتبہ یاد کرلیا کرو ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں"۔ حفیظ جالندھری کا بڑا پیارا شعر ہے ؎

سرکشی نے کر دیئے دھندلے نقوشِ بندگی
آؤ سجدے میں گریں لوحِ جبیں تازہ کریں!

نماز آپ کے اس عہد کو تازہ کرنے کا نام ہے۔ ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾ "نماز قائم کرو میری یاد کے لئے"۔ روزہ اس لئے دے دیا گیا تاکہ آپ اپنے حیوانی تقاضوں پر کچھ کنٹرول حاصل کریں اور یہ حیوانی تقاضے آپ سے اللہ کی شریعت کے خلاف کوئی کام نہ کروالیں۔ زکوٰۃ اس لئے دے دی گئی کہ قلب کے اوپر مال کی محبت کا تسلط نہ ہوجائے۔ حج میں ان ساری برکات کو جمع کردیا گیا۔ تو یہ "تسہیل العبادۃ" ہے۔ جیسے آپ نے بچپن میں ایک قاعدہ "تسہیل الاملا" لکھا ہوگا۔ تسہیل الاملا یہ ہوتا تھا کہ حروفِ تہجی نقطوں (dots) کی صورت میں لکھے ہوتے تھے' ان نقطوں پر قلم پھیرنے سے طالب علم کو لکھنا آ جاتا تھا۔ یہ تسہیل الاملا تھی۔ اسی طرح سے تسہیل العبادۃ ہے کہ ان عبادات کے ذریعے فریضہ عبادت کو آسان کردینا جو کہ بہت مشکل اور بہت کٹھن ہے' اس کے تقاضے بڑے گھمبیر ہیں۔ ان کی آسانی کے لئے فرمایا تم نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو' روزہ رکھا کرو'

حج کیا کرو' اس سے تمہارے اندر عبادت کے لئے کچھ قوت' ہمت' طاقت اور استقامت پیدا ہو گی۔

"عبادت" کا اصل مفہوم

اب آیئے "عبادت" اصل میں کیا ہے؟ عبادت کی حقیقی تعریف اگر میں آپ کے سامنے رکھوں تو اس میں دو لفظ خاص طور پر جمع ہوں گے: اطاعت + محبت۔ اس کے لئے بہترین اصطلاحات فارسی کی ہیں یعنی بندگی + پرستش۔ پرستش انتہائی محبت کرنے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے وطن کا پرستار' یعنی وطن سے انتہائی محبت رکھنے والا' وطن کی آن پر اپنی جان پیش کر دینے والا۔ ویسے تو ایکٹروں اور ایکٹرسوں کے پرستار بھی بہت پھرتے ہیں' لیکن کسی کا پرستار اصل میں وہ ہوتا ہے جو اس سے انتہائی محبت کرنے والا ہو۔ غلامی کے لئے فارسی لفظ بندگی ہے۔ اس کی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بہترین تعبیر اس شعر میں کی ہے جو کبھی اکثر و بیشتر مساجد میں لکھا جاتا تھا ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی!

ایک ہے بندگی' اطاعت' غلامی۔ لیکن "عبادت" محض غلامی نہیں۔

یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ محض لفظ اطاعت پر بھی قرآن مجید میں عبادت کا اطلاق ہوا ہے۔ اس کی بڑی پیاری مثالیں ہیں۔ جب حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پہلی مرتبہ فرعون کے دربار میں پیش ہوئے تو فرعون نے پُر جلال انداز میں کہا کہ ان کی یہ جرأت! ہماری محکوم قوم بنی اسرائیل کے دو افراد اس طرح کھڑے ہو کر ہمارے سامنے مطالبہ کر رہے ہیں ﴿ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴾ "جبکہ ان دونوں کی قوم تو ہماری غلام ہے"۔ اب یہاں بنی اسرائیل کے لئے لفظ "عَابِدُوْنَ" آیا ہے تو ظاہر بات ہے کہ بنی اسرائیل آل فرعون کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ غلامی تو تھی' یہ قوم ان کی محکوم تو تھی' ان پر اطاعت لازم تھی' لیکن (معاذ اللہ) عبادت نہیں۔ وہ موحد قوم تھی' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھی' حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی نسل سے تھی۔ گویا یہاں اطاعت کے لئے عبادت کا لفظ آیا ہے۔ اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تو فرعون کا قول ہے' یہ دلیل نہیں

بن سکتا۔ لیکن یاد رہے کہ فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی لفظ استعمال کیا۔ جب فرعون نے کہا: ﴿ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء : ۱۸) یعنی اے موسیٰ! تم وہی نہیں ہو جو ہمارے ٹکڑوں پر پلے ہو اور ہمارے محل میں تمہاری پرورش ہوئی؟ ہم نے تمہیں پالا جب کہ تم چھوٹے سے تھے اور دریا میں بہتے ہوئے ہمارے پاس آ گئے تھے۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو قول تھا اسے قرآن نقل کر رہا ہے: ﴿ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ۝ ﴾ (الشعراء : ۲۲) یہ جو تم مجھ پر اتنا بڑا احسان جتا رہے ہو اس کی حقیقت یہی ہے نا کہ تم لوگوں نے ایک فرد کو پال لیا جبکہ میری پوری قوم کو غلام بنا کر رکھا ہوا تھا۔

متذکرہ بالا آیات میں غلامی اور اطاعت پر بھی محض لفظ عبادت کا اطلاق قرآن مجید میں ہوا ہے' لیکن اللہ کی جو عبادت مطلوب ہے وہ محض غلامی اور اطاعت نہیں' بلکہ اللہ کی وہ بندگی' اطاعت اور غلامی ہے کہ جو اس کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر کی جائے۔ جبری غلامی' جبری محکومی اور جبری اطاعت اس طرح کی عبادت قرار نہیں پائے گی جیسی عبادت اللہ کو ہم سے مطلوب ہے' جس کا تقاضا کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ امام ابنِ تیمیہ اور حافظ ابنِ قیم رحمہما اللہ جو ان کے اہم ترین شاگردوں میں سے ہیں' فلسفی ذہن اور صوفیانہ مزاج رکھنے والے ہیں' ان دونوں نے واقعتاً "عبادت" کی بہترین تعبیر ان الفاظ میں کی ہے: "العبادة تجمع اثنين: غاية الحب مع غاية الذل و الخضوع" یعنی "عبادت دو چیزوں کو جمع کرنے سے وجود میں آتی ہے: اللہ کی حد درجے کی محبت اور حد درجے اللہ کے سامنے بچھ جانا" اللہ کے سامنے ذلت' فروتنی اور تواضع اختیار کر لینا۔ یہ دو چیزیں جمع ہوں گی تو عبادت ہو گی۔

اس کے لئے ایک مثال نوٹ کر لیجئے کہ انسانی وجود روح اور جسد کا مرکّب ہے۔ انسان کا ایک جسد ہے جس کا دو اڑھائی من وزن ہے اور یہی ہے جو سب کو نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی اصل حقیقت وہ ہے جسے جان یا روح کہتے ہیں اور جس کا کوئی وزن ہی نہیں۔ اگر اس جسم سے روح نکل جائے تب بھی اس کا وزن وہی رہے گا' لیکن اس کے بعد بہترین کام یہ ہو گا کہ جلد از جلد اس کو قبر میں اتار لیا جائے' ورنہ یہ جسدِ خاکی متعفن ہو جائے گا' بدبو آئے گی' آپ اس کے قریب بیٹھ نہیں سکیں گے۔ جسد اور جان یا روح میں

جو رشتہ ہے وہی رشتہ اطاعت اور محبت میں ہے۔ جسد جو کہ نظر آتا ہے' واضح ہے' وہ ہے اطاعت' لیکن اس کی اصل روح جو اسے "عبادت" بناتی ہے وہ ہے اللہ کی انتہائی محبت۔ یہ دو چیزیں جب جمع ہوتی ہیں تو پھر عبادتِ رب کا تقاضا پورا ہوتا ہے۔

چونکہ میں اپنے دینی فکر کا نچوڑ اور خلاصہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں تو ایک نکتہ اور نوٹ کرتے جایئے۔ اطاعت اور محبت میں اللہ اور رسول ایک وحدت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم میں متعدد بار فرمایا گیا: ﴿ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ بلکہ اللہ کی اطاعت ہے ہی رسول کی اطاعت کے ذریعے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا :

﴿ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ﴾ (النساء : ۸۰)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

اور سورۃ النساء ہی میں فرمایا :

﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ﴾ (النساء : ۶۴)

"ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذن باری تعالیٰ کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے"۔

سورۃ الشعراء میں رسولوں کا اپنی قوموں سے یہ مطالبہ بار بار نقل ہوا ہے :

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ○ ﴾ (آیات ۱۰۸'۱۲۶'۱۴۴'۱۶۳)

"پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!"

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی کہا :

﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ ○ ﴾

"(میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں) کہ اللہ کی عبادت کرو (اس کی بندگی اور پرستش کرو) اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!"۔

اطاعت میں اللہ اور اس کا رسول دونوں جمع ہیں۔ اسی طرح محبت میں بھی اللہ اور اس کا رسول دونوں جمع ہیں۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ ملاحظہ کیجئے :

﴿ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا

وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"اے نبی! ان سے کہہ دیجئے: دیکھو لوگو! اگر تمہارے باپ' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لئے شوہر) اور تمہارے عزیز و اقارب' اور یہ مال جو تم نے بڑی محنت سے جمع کئے ہیں' اور تمہارے کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ ہوتا ہے (کہ کساد بازاری نہ ہو جائے) اور یہ گھر اور کوٹھیاں جو تمہیں بڑی محبوب ہیں اگر (یہ آٹھ چیزیں) تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے محبوب تر ہیں تو انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے' اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا"۔

البتہ اللہ کی محبت اور اللہ کی اطاعت مل کر "عبادت" بنتی ہے' مگر رسول کی محبت اور اطاعت مل کر عبادت نہیں بنتی (معاذ اللہ) اس کا نام اتباع ہے۔ فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ .... ۝

(آلِ عمران : ۳۱)

"اے نبیؐ ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا...."

جزوی اطاعت کی حقیقت

اگلا نکتہ یہ ہے کہ یہ اطاعت جو جسد ہے' جو عبادت کا اصل ظاہر ہونے والا جزو ہے' اس کے بارے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ اطاعت نام ہے صرف کلی اطاعت کا' نہ کہ جزوی اطاعت کا۔ جزوی اطاعت اللہ کو قبول نہیں' وہ اسے منہ پر دے مارتا ہے۔ اللہ غنی ہے' محتاج نہیں۔ فقیر تو کہتا ہے کہ روپیہ ڈال دو تب بھی ٹھیک ہے' چار آنے ڈال دو تب بھی ٹھیک ہے' لیکن غنی کا معاملہ یہ نہیں ہوتا۔ اللہ تو الغنی اور الحمید ہے۔ اس کی طرف سے تو بات سیدھی سیدھی سی ہے کہ دین پر چلنا ہے تو پورے دین پر چلو' ورنہ دفعہ ہو جاؤ' ہمیں تمہاری جزوی اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کو مثبت طور پر بھی کہا گیا:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾ (البقرۃ : ۲۰۸)

"اے اہل ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ!"۔

یہاں ۳۳ فیصد نمبروں سے پاس شمار نہیں ہو گے۔ اپنی مکمل شخصیت اور مکمل نظام زندگی کے ساتھ اجتماعی اور انفرادی طور پر اللہ کی اطاعت میں داخل ہو جاؤ۔

اور یہ چیز منفی انداز میں بھی قرآن میں آتی ہے اور اس ضمن میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۵ بہت اہم ہے۔ اس مقام پر جو تذکرہ ہو رہا ہے وہ اگرچہ بنی اسرائیل کا ہے' لیکن یہ جان لیجئے کہ مختلف اقوام اور افراد کے معاملے میں اللہ کا قانون تبدیل نہیں ہوا کرتا۔ اللہ کا قانون اٹل ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی :

﴿ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾

(فاطر : ۴۳)

"پس تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے' اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے"۔

وہاں فرمایا گیا ہے :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ : ۸۵)

"تو کیا تم کتاب (اور شریعت) کے ایک حصے کو تو مانتے ہو اور ایک کو رد کرتے ہو؟ تو جو لوگ بھی تم میں سے یہ طرز عمل اختیار کریں گے ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں وہ ذلیل و خوار کر دیئے جائیں اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیئے جائیں۔ اور اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کرتے ہو"۔

جزوی اطاعت کی حقیقت کے اعتبار سے یہ قرآن حکیم کی اہم ترین آیت ہے۔ یہاں ایسا طرز عمل اختیار کرنے والوں کے لئے "اَشَدَّ العَذاب" (شدید ترین عذاب) کا تذکرہ ہے۔ اللہ کی جزوی اطاعت کرنے والوں کا حشر کفار سے بدتر ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کے بارے میں فرمایا گیا :

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ (النساء : ۱۴۵)

"منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے"۔

یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان سے کہا گیا ہے :

﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ○ ﴾ (الصف : ۲، ۳)

"کیوں کہتے ہو وہ جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے غضب کو بھڑکانے اور اس میں بیزاری پیدا کرنے والی ہے یہ بات کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں"۔

اللہ تعالیٰ کو تو پوری اطاعت چاہئے' اسے جزوی اطاعت قبول نہیں۔ ایسی اطاعت مردود ہے' لوٹا دی جاتی ہے' منہ پر مار دی جاتی ہے۔ یہ نکتہ اگر پورے طور پر آپ کے ذہن نشین ہو جائے گا تب میری اگلی بات کا منطقی ربط آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔

ہیں آج کیوں ذلیل.....؟

اسی میں درحقیقت ایک بہت بڑے سوال کا جواب ہمیں ملتا ہے اور وہ یہ کہ آج ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہیں' جبکہ کفار کا غلبہ ہے ؎

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر!

تو کیا اللہ کو کفر پسند ہے اور اسلام اور ایمان ناپسند ہے؟ ہم دل میں سوچتے ہیں کہ ہم کم سے کم اللہ کو مانتے تو ہیں' نمازیں بھی پڑھ ہی لیتے ہیں' ہمارے بیس بیس' تیس تیس لاکھ افراد جا کر حج بھی کرتے ہیں' پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے لئے عزت نام کی کوئی شے نہیں ہے' دنیا میں ہمارا کوئی وقار اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ع "کس نمی پرسد کہ بھیا کیستی!" کسی بھی بین الاقوامی مسئلے میں ہماری تو کوئی رائے بھی نہیں پوچھتا۔ وہ تو G-7' G-8' یا G-15 ہیں جن کے مشورے اور فیصلے چلتے ہیں۔ کوئی مسلمان ملک نہ G-7 میں ہے نہ G-15 میں۔ گویا نہ تین میں نہ تیرہ میں' کہیں بھی نہیں۔ UNO کے مستقل ممبران جن کے پاس ویٹو پاور ہے ان میں کسی مسلمان ملک کے آنے کا کوئی امکان نہیں' اب بھی کوئی نیا ملک آئے گا تو بھارت آئے گا' پاکستان کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ کیوں ہے؟ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

یہ بہت اہم سوال ہے' اگر آپ نے نہیں سوچا تو یہ آپ کی غفلت ہے۔ یہ قابل غور بات ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں' دنیا میں ہماری کیا حیثیت ہے۔ اب اگر قیامت ٹوٹ رہی ہے تو کشمیر میں مسلمانوں پر ٹوٹ رہی' اس سے پہلے چیچنیا کا تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا' کوسوو کا جو معاملہ ہوا ہے' بوسنیا میں جو کچھ ہوا ہے' ابھی فلپائن کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب کیوں ہے؟ نائیجیریا میں کیا کچھ نہیں ہوا؟ وہاں ایک صوبہ شریعت اسلامی نافذ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور عیسائیوں کے ہاتھوں ہزاروں مسلمان قتل ہو جاتے ہیں۔ یہی معاملہ انڈونیشیا کے اندر ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اللہ کو کفر سے محبت ہے اور اسلام سے دشمنی ہے؟ یا اللہ عاجز اور لاچار ہے؟ وہ مسلمانوں کی مدد کرنا تو چاہتا ہے لیکن نہیں کر سکتا۔ دونوں میں سے کسی بات کا جواب آپ ہاں میں نہیں دے سکتے۔ انہی دونوں چیزوں کو اقبال نے بڑی خوبصورتی سے جمع کیا ہے ؎

تُو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات!

اے اللہ تُو قادر ہے' عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے اور عادل بھی ہے۔ پھر دنیا میں بے انصافی کیوں ہو رہی ہے؟ سرمایہ دار مزدور کا خون نچوڑ کر اس سے شراب کشید کر رہا ہے' پھر اسے شام کو بیٹھ کر پیتا ہے۔ بندۂ مزدور کے اوقات واقعتاً بہت تلخ ہیں۔ اے اللہ! تو قادر بھی ہے' عادل بھی ہے' اسلام کو پسند کرتا ہے' کفر کو ناپسند کرتا ہے' پھر بھی ایسا سلوک کیوں ہے کہ تیرے نام لیوا ذلیل و خوار ہیں؟ اس کا جواب سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۵ میں دے دیا گیا ہے جس کا ہم نے ابھی مطالعہ کیا :

فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ

جو کوئی بھی مسلمان قوم اور مسلمان امت یہ طرز عمل اختیار کرے (کہ وہ دین کو جزوی طور پر اختیار کرے' وہ انفرادی ہو یا اجتماعی) اس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کی زندگی میں ان پر ذلت و رسوائی اور خواری مسلط کر دی جائے۔ یہ تو بہرحال ہم بھگت

رہے ہیں' لیکن آخرت کا معاملہ اس سے شدید تر ہے

﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط ﴾

"اور قیامت کے دن انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا"۔

اگر آپ کو یہ نکتہ سمجھ میں نہیں آیا تو میری بات اور میرے دینی فکر کی اساس ہی آپ کے پلے نہیں پڑی' چاہے آپ نے میرے بہت سے دروس اور بہت سی تقریریں سنی ہوں۔ یہ میرے فکر کا اساسی نکتہ ہے۔

اس پس منظر میں جائزہ لیجئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہماری اطاعت اس وقت کُلّی ہے یا جزوی؟ اول تو یہ کہ پوری دنیا میں کوئی ایک ملک بھی ہم ایسا نہیں دکھا سکتے جہاں ہم نے اسلام کا مکمل نظام قائم کیا ہو۔ افغانستان کو ابھی ایک طرف رکھ دیجئے' ابھی وہ ایک مستحکم ریاست نہیں ہے' نہ اس کی وہ حیثیت ہے جسے دنیا میں مانا جائے نہ پوری دنیا میں اس کا کوئی مقام ہے۔ باقی پوری دنیا میں کیا کوئی ملک ہم دکھا سکتے ہیں جہاں ہم نے اسلام کا عدل و قسط پر مبنی نظام قائم کیا ہو؟ سعودی عرب میں نماز' روزہ' حج' عمرے سب کچھ ہے لیکن کیا اللہ کا دین قائم ہے؟ کیا بادشاہت کا نظام اور ملکی دولت کے اوپر ایک خاندان کا قبضہ اور ارب ہا ارب ڈالر کا ایک ایک محل بنانا اسلام ہے؟ اگر یہ اسلام ہے تو پھر اس کی نوع انسانی کو کوئی ضرورت نہیں۔ اس اسلام کو تو نوع انسانی بہت عرصے پہلے ترک کر چکی ہے۔

انفرادی محاسبہ کی ضرورت

یہ تو پوری امت کا مسئلہ ہے' لیکن ابھی انفرادی معاملے پر آیئے۔ ہمارے ہاں ۹۹.۹۹ فیصد آبادی وہ ہے کہ جتنا شریعت کے اوپر عمل کیا جا سکتا ہے اس پر بھی نہیں کرتی۔ ہر ایک نے کسی نہ کسی حرام شے کو اپنے لئے حلال ٹھہرا رکھا ہے اور اسے بامر مجبوری کا نام دے رکھا ہے کہ کیا کریں جی سود کے بغیر تو کوئی کاروبار نہیں ہو سکتا' سرکاری ملازم کا رشوت کے بغیر کیسے گزارہ ہو سکتا ہے! کاروباری آدمی کہے گا کہ حساب کتاب صحیح رکھ کر ہمیں تو اپنی دکان بند کرنا پڑے گی۔ ہر ایک نے کوئی نہ کوئی حرام شے اختیار کی ہوئی ہے۔ باقی یہ کہ نمازیں' روزے' عمرے اور حج بھی ہیں۔ پردے کا تو خیر

رواج ہی نہیں رہا۔ ۰.۰۱ فیصد لوگ تو وہ ہوں گے یا ہو سکتے ہیں کہ وہ جتنے اسلام پر عمل کر سکتے ہیں اس پر کر رہے ہیں' وہ نماز پڑھ رہے ہیں' روزہ رکھ رہے ہیں' شراب نہیں پی رہے۔ سودی لین دین میں براہ راست ملوث نہیں ہیں' انہوں نے سود پر سرمایہ لے کر کوئی کاروبار نہیں کیا' سود پر قرض لے کر مکان نہیں بنایا' کہیں بینک میں پیسہ رکھ کر سود نہیں کھا رہے۔ الغرض جتنا عمل ہو سکتا ہے وہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ کتنے ہوں گے؟ لیکن ان کے حوالے سے بھی غور کیجئے کہ شریعت کے اجتماعی احکام پر وہ بھی عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔ کیا یہ شریعت کا حکم نہیں ہے کہ زانی کو سو کوڑے مارو اور چور کے ہاتھ کاٹ دو؟ کیا یہ اس معاشرے کے رکن نہیں ہیں؟ اس ریاست کے شہری نہیں ہیں؟ کیا اس اجتماعی نظام کی کوئی ذمہ داری ان پر نہیں آتی؟ کیا یہ اس کے لئے ذمہ دار نہیں ہیں؟ کہاں ہے یہ قرآنی حکم کہ : ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا ﴾ کہاں ہے شادی شدہ زانی کی سنگ ساری؟ کہاں ہیں وہ کوڑے جو زنا پر بر سرعام لگائے جائیں تاکہ لوگ اپنی نگاہوں سے دیکھیں۔ معاشی نظام پورے کا پورا سود پر مبنی ہے۔ میں بھی اور آپ بھی سود کو inhale کر رہے ہیں۔ حدیث کے اندر تو صاف آیا ہے کہ ایک وقت آجائے گا کہ ایک شخص چاہے براہ راست سود نہ کھائے' لیکن اس کا غبار اور دھواں اس کے اندر ضرور جائے گا۔ بڑی پیاری تشبیہات ہیں' اگر فضا میں دھواں ہے تو آپ کیا ناک بند کر لیں گے کہ دھواں اندر نہ جانے پائے؟ جینے کے لئے سانس تو لینا ہے' دھواں بہرحال اندر جائے گا۔ گرمیوں میں بعض اوقات dust suspension ہو جاتا ہے تو کیا ناک بند کر لیں گے کہ میں تو dust کو اندر نہیں لے جانا چاہتا؟ جینے کے لئے سانس لینا پڑے گا۔ سانس لیں گے تو dust اندر جائے گا۔ حدیث میں الفاظ آئے ہیں کہ سود کا "دخان" اور "غبار" تو لازماً اندر جائے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ پوری انفرادی زندگی میں سود میں براہ راست ملوث ہونے کا معاملہ نہیں ہے' لیکن یہ غبار تو جا رہا ہے۔ گندم کے ہر دانے کے ساتھ سود اندر جا رہا ہے۔

غور کیجئے' یہ میں کن کی بات بتا رہا ہوں؟ ان کی جو باقی شریعت پر سو فیصد عمل پیرا ہیں۔ فرض کیجئے کہ انہوں نے گھر میں شرعی پردہ بھی نافذ کر رکھا ہے تو اس کے کیا کہنے' یہ بہت بڑا جہاد ہے۔ ان کی پوری شرعی داڑھی ہے' لباس شرعی ہے' ہر اعتبار سے زندگی

شریعت کے مطابق ہے' لیکن جو اس اجتماعی نظام کے تابع ہیں اس کے اعتبار سے تو وہ کفر ہی کا حصّہ ہیں۔ اس کفر کے نظام کے اندر سانس لے رہے ہیں' اس کے اندر جی رہے ہیں۔ یہ صورت حال آپ کے لئے اور میرے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ جان لیجئے ہماری اطاعت جزوی ہے۔ خاص طور پر جو لوگ بڑے شوق سے جا کر امریکہ میں آباد ہو گئے انہیں تو وہاں کے عائلی قوانین کو قبول کر کے آباد ہونا ہے۔ یہاں ہم اپنے شرعی عائلی قوانین پر تو چل رہے ہیں۔ یہاں ہمارے عائلی قوانین میں بھی گڑبڑ کی گئی تھی تاہم ان ترمیمات پر زیادہ عمل نہیں ہو رہا ہے۔ ہم سے کہیں بہتر بھارت کے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنے عائلی قوانین میں ہندو اکثریت کو ابھی تک دخل نہیں دینے دیا۔ میں بھارتی مسلمانوں کو سلام کرتا ہوں۔ امریکہ میں رہنے والے مسلمان کا شرعی قوانین پر بھارتی مسلمان سے بھی کم عمل ہے۔ بھارتی مسلمان ابھی تک اپنے عائلی قوانین پر قائم ہے۔ امریکہ میں تو ظاہر بات ہے شادی' طلاق اور وراثت کے قوانین میں آپ کا کوئی عمل دخل نہیں۔ جب میں نے یہ بات امریکہ میں کہی تو ایک صاحب بڑے دھڑلے سے کہنے لگے کہ اب یہاں "Will" (وصیت) ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا یہ خود خلاف شریعت ہے۔ وصیت تو ایک تہائی سے زیادہ میں ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا اگر آپ نے will کر دی ہے تو وہ بھی شریعت کے خلاف ہے' شریعت پر عمل پیرا ہونا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ بہرحال یہ ایک گھمبیر مسئلہ ہے۔ ایک طرف صورت وہ ہے کہ ﴿ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ ﴾ اور دوسری طرف یہ بیڑیاں ہیں جو ہمارے پاؤں میں پڑی ہوئی ہیں۔ میں نے اس موضوع پر امریکہ میں بھی تقریریں کی ہیں اور یہاں بھی مختلف حضرات سے گفتگو کی ہے۔

فتنے سے نکلنے کا راستہ

اس وقت بھی میرے ذہن میں وہ حدیث آ رہی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ فتنے سے نکلنے کا راستہ (مخرج) کیا ہے؟ بڑی مشہور حدیث ہے جو ہم نے بڑی عام کی ہے۔ قرآن مجید کی مدح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث آتی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ))

"عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ رونما ہوگا"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا :

مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰه؟

"اے اللہ کے رسول! اس سے نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟"۔

امام طبرانی کی معجم کبیر میں یہ روایت اور انداز سے آئی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا :

يَا مُحَمَّد! اُمَّتُكَ بَعْدَكَ؟

یعنی "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سوچا ہے کہ آپ کی امت کا آپ کے بعد کون والی وارث ہوگا؟"۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا الْمَخْرَجُ يَا جِبْرَائِيل؟

"حضور پوچھتے ہیں کہ اے جبرائیل (سوال تو واقعی بہت اہم ہے) تم ہی بتاؤ اس سے نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟"۔

انہوں نے فرمایا :

((كِتَابُ اللّٰه، فِيْهِ خَبَرُ مَا قَبْلَكُمْ وَنَبَأُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ))

"اللہ کی کتاب۔ اس میں تم سے پہلوں کے حالات بھی ہیں، تم سے بعد کی خبریں بھی ہیں اور تمہارے جھگڑوں کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے، یہی پُر حکمت بیان ہے اور یہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے"۔

یہ بڑی طویل اور پیاری حدیث ہے۔ بہرحال میں نے یہ اس لئے بتایا کہ اس گھمبیر صورت حال سے نکلنے کا کیا مخرج (exit) ہے۔ بڑے بڑے ہالوں میں سرخ Exit لکھا ہوتا ہے کہ اگر کوئی آگ لگ جائے، بم دھماکہ ہو جائے تو اس Exit کی طرف بھاگو۔ تو ہمارے لئے مخرج (Exit) کیا ہے؟

① اس وقت کے حالات میں جتنے اسلام پر عمل کرنا قانوناً ممکن ہے، لازماً کیا جائے

مشکل اگرچہ کتنا ہی ہو۔ مشکل اور ناممکن دونوں میں فرق ہے۔ چور کا ہاتھ کاٹنا میرے لئے ناممکن ہے۔ زانی کو سنگسار کرنا میرے لئے ناممکن ہے' لیکن گھر میں شرعی پردہ نافذ کر لینا میرے لئے ممکن ہے' مشکل ضرور ہے۔ یہاں بے پردگی کا کوئی قانون آج تک نہیں بنا' کوئی مصطفیٰ کمال پاشا یہاں نہیں آیا اور (ان شاء اللہ) ہرگز نہیں آسکتا جو خواتین کا برقعہ زبردستی اتروادے۔ جس کسی نے برقعہ اتارا ہے اس نے خود اتارا ہے اور خود بے پردگی اختیار کی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آدمی جتنے دین پر عمل کر سکتا ہو پہلے وہ اس پر تو عمل کرے۔ وہ ۱۰۰ء پرسنٹ میں تو آجائے۔ چاہے مشکل ہو' چاہے اس میں بھوک آجائے' چاہے تکلیف آجائے' چاہے بائیکاٹ ہو جائے۔ آپ شرعی پردہ نافذ کریں گے آپ کا سوشل بائیکاٹ ہو جائے گا۔ کچھ بھی ہو جائے' ہرچہ باداباد' شریعت کے حکم پر جتنا عمل کر سکتے ہیں وہ تو پورا کریں۔

② اور اہم بات یہ ہے کہ اس اجتماعی نظام کو جس کی وجہ سے آپ مکمل شریعت پر عمل نہیں کر سکتے اسے ذہناً قبول کرلیں نہ قلباً

Don't accept it! don't reconcile with it!

③ نہ اس کی چاکری اور غلامی کریں نہ اسے promote کریں نہ اس کے تحت پھلنے پھولنے اور پھیلنے کی کوشش کریں کہ جائیداد زیادہ ہو جائے' کاروبار میں اضافہ ہو جائے' بلڈنگز زیادہ ہو جائیں۔

یہ میں نے تین منفی پہلو بیان کئے ہیں۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ اسے ذہناً تسلیم نہ کریں۔ گویا کہ اس کے اندر under protest رہیں' کم از کم passive resistance تو ہو کہ اسے ذہناً اور قلباً تسلیم نہیں کیا۔ اس کی چاکری کرنے کو تیار نہیں۔ میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جس وقت ہندوستان میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی دعوت اٹھی ہے تو اپنے ابتدائی دور میں وہ دعوت صد فیصد اسلامی تھی' اور اس کی بنیاد پر ان پر بغاوت کا مقدمہ چل سکتا تھا۔ انگریز کا دور تھا' لیکن انہوں نے واضح طور پر کہا تھا کہ فوج کی ملازمت حرام ہے' آپ انگریز کی فوج میں جاتے ہیں تو گویا کہ آپ اسے تقویت دے رہے ہیں۔ ہمارے ہی مسلمان فوجیوں نے جاکر پہلی جنگ عظیم میں جنرل ایلن بی کو یروشلم کا قبضہ لے کر دیا تھا۔ ہمارے یہ فوجی جہلم اور راولپنڈی کے علاقے کے

تھے۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے خانہ کعبہ پر بھی گولیاں چلائی تھیں۔ مولانا مودودیؒ کا فتویٰ تھا کہ یہ ملازمت حرام ہے۔ اسی طرح سرکاری ملازمت بھی حرام ہے۔ خاص طور پر عدلیہ سے متعلق ملازمت کسی طور پر جائز نہیں۔ آپ عدالت کے اندر وکیل کی حیثیت سے پیش ہو رہے ہیں اور اس قانون کے تحت مقدمہ لڑ رہے ہیں جو اللہ کا قانون نہیں ہے کسی اور کا ہے۔ اور غضب خدا کا کہ اس عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں جہاں اللہ کے قانون کی بجائے انگریز کے قانون کے مطابق فیصلہ دینا ہے۔ جبکہ اللہ کا تو حکم ہے : ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (المائدہ : ۴۴) "اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں"۔ انگریز کے دور میں ایسی مثالیں موجود تھیں کہ نماز روزہ بھی ہے' تہجد بھی ہیں' تسبیحات بھی ہیں اور حج بھی ہیں' اور ان سب کے ساتھ ساتھ انگریز کی عدالت میں جج بھی ہیں۔ اُس وقت مولانا مودودی کا یہ بات کہنا بڑی ہمت و جرأت کا کام تھا۔ وہ تو یہ کہ انگریز یہاں سے اپنا بوریا بستر لپیٹ رہا تھا۔ لہٰذا اس نے اسے نظر انداز کیا' ورنہ اس بات کو کوئی برداشت کر سکتا ہے؟ انہوں نے زیادہ سے زیادہ یہ اجازت دی تھی کہ پبلک یوٹیلٹی کے محکمے مثلاً محکمہ ڈاک' ریلوے وغیرہ یعنی جن سے عوام کے کام اور سہولتیں وابستہ ہیں ان کی ملازمت تو اختیار کی جا سکتی ہے لیکن وہ محکمے جو حکومت کی گاڑی کو چلانے کے لئے بنائے جاتے ہیں اور وہ محکمے جو حکومت کی اس گاڑی کے اندر جتے ہوئے ہیں' اس بگھی کو آگے لے کر دوڑ رہے ہیں' ان محکموں میں ملازمت اختیار کرنا نظامِ باطل کو support کرنا ہے' جو سراسر حرام ہے۔

اس بات کو میں نے منفی پہلو (negetive aspect) قرار دیا ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ دراصل کفارہ ہے۔ اگر میں ایسے نظام کے تحت زندہ رہنے پر مجبور ہوں جہاں حق کا بول بالا نہیں ہے' پورا نظام حق کے تابع نہیں ہے' اجتماعی زندگی میں اللہ کی اطاعت نہیں ہے تو مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں کہاں جاؤں؟ امریکہ چلا جاؤں' لیکن وہاں تو یہاں سے زیادہ کفر ہے۔ سعودی عرب میں مجھے بسنے ہی نہیں دیں گے' اور وہاں میں نے حکومتِ الٰہیہ کا نام لے لیا تو میرے وجود کا نام و نشان نہیں ملے گا۔ ہم مجبور ہیں' لہٰذا اس کا کوئی کفارہ ہونا چاہئے کفارہ کسے کہتے ہیں؟ کفر (ک ف ر) کا اصل مفہوم کسی چیز کا چھپا دینا ہے۔ اس کا

ایک معنی ناشکری کرنا بھی ہے۔ اس لئے کہ کسی نے آپ کے ساتھ احسان کیا ہے تو آپ کے دل سے اس کے لئے احسان مندی کے جذبات کا فوارہ ابلنا چاہئے۔ اگر آپ نے اس کو دبالیا تو یہ کفر کہلائے گا' یعنی کفرانِ نعمت۔ شکر کے مقابلے میں کفر آتا ہے۔ "کفار" کا لفظ قرآن مجید میں کاشت کار کے لئے بھی آیا ہے :

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ﴿ (الحدید : ۲۰)

اس لئے کہ وہ بیج کو زمین میں دباتا ہے تو اس سے پودا نکلتا ہے۔ کفارہ یہ ہوتا ہے کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اس کے اثرات کو زائل کرنے اور دھونے کے لئے کوئی عمل کیا جائے۔ اب یہ گناہ کہ میں نظام باطل میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوں' میری پوری اجتماعی زندگی اس نظام سے متعلق ہے اور وہ نظام کفر پر مبنی ہے' مَیں انفرادی زندگی کے اعتبار سے فرض کیجئے ۱۰۰ء۰ فیصد میں بھی آگیا ہوں کہ میرے لئے جتنے بھی شرعی احکام پر عمل ممکن تھا وہ میں کر رہا ہوں' تب بھی حال یہ ہے کہ میری پوری اجتماعی زندگی تو کفر کے تابع ہے' تو اس کا مخرج اور کفارہ کیا ہے؟ یہی کفارہ میں نے آپ کو بتایا ہے کہ اس نظام کو ذہناً و قلباً تسلیم نہ کیا جائے' اس کے ساتھ reconcile نہ کیا جائے۔ یہی منفی انداز آیۃ الکرسی کے بعد آنے والی آیت میں اختیار کیا گیا ہے :

﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴿ (البقرۃ : ۲۵۶)

"جو کفر کرے طاغوت کا اور ایمان لائے اللہ پر وہ ہے کہ جس نے مضبوط کنڈے پر ہاتھ ڈال لیا ہے اور یہ کنڈا اپنی جگہ چھوڑنے والا نہیں ہے"۔

لہٰذا اسے مضبوطی سے تھامے رکھو!

اس نظام کو promote نہ کیا جائے' اس کی چاکری' اس کی خدمت نہ کی جائے' بلکہ اس سے انحراف کیا جائے۔

④ اس کے تحت پھلنے پھولنے اور پھیلنے کی کوشش نہ کی جائے' بلکہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی کم سے کم لازمی بنیادی ضروریات کے لئے جتنا وقت اور جتنی صلاحیت

اور محنت کی ضرورت ہے اس کو ایک طرف کرتے ہوئے باقی پوری محنت و صلاحیت اور تمام اوقات اس نظام کے خلاف جدوجہد میں لگا دیئے جائیں۔ باطل نظام کے تحت مجبوراً زندگی گزارنے والا انسان اگر اس نظام کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے اور نظام حق کو غالب کرنے کے لئے جدوجہد کرے گا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہوتا چلا جائے گا۔ گویا اگرچہ گندگی اندر جا رہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ دھل بھی رہی ہے۔ اس جدوجہد میں مصروف انسان اللہ کا شکر ادا کرے کہ میں نے جو سانس لیا تھا اس کے ساتھ اگرچہ سود بھی اندر گیا تھا لیکن اس کے ساتھ جو آکسیجن آئی تھی اس نے مجھے توانائی بخشی تھی' اس توانائی کا اکثر حصہ میں نے اس نظام کو ختم کرنے کے لئے لگا دیا ہے' لہٰذا میں پاک ہو گیا ہوں' یہ اس کا کفارہ ہے۔

دیکھئے مثبت اور منفی دو چیزیں آ گئیں کہ اس نظام کو ذہناً تسلیم نہ کرے' اس کی چاکری نہ کرے اور اسے درہم برہم کرنے کی جدوجہد کرے۔ نظام باطل کی چاکری کرنے والوں کو یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَنْ مَشٰی مَعَ فَاسِقٍ لِقُوِّیَهٗ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ))

"جو شخص کسی فاسق کے ساتھ چلا اسے تقویت پہنچانے کے لئے چلا اس نے اسلام کی جڑیں کھودنے میں مدد کی"۔

اگر حال یہ ہو کہ نظامِ باطل کی سروس ہو رہی ہے' اور اس کے حوالے سے طرے پر طرے چڑھائے جا رہے ہیں' خطابات لئے جا رہے ہیں' نظامِ باطل کی محافظ پولیس اور فوج میں سروس ہو رہی ہے تو اس کے ساتھ اسلام کا کیا سوال؟

مثبت بات یہ ہے کہ اپنے تن من دھن کا کم سے کم حصہ اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رکھا جائے' باقی سارے کا سارا اس نظام کو uproot کر کے اس کی جگہ پر نظامِ دین حق کو قائم کرنے کے لئے صرف کر دیا جائے۔ بصورت دیگر ایک حدیث سن لیجئے۔ فرض کیجئے کوئی شخص ۰.۰۱ پرسنٹ میں آ گیا ہے' یعنی شریعت کے تمام احکام پر کاربند ہے' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ پر عمل پیرا ہے' حرام خور و نوش کے قریب نہیں جاتا' براہِ راست سود میں ملوث نہیں ہے اور اسی طرح اس کے گھر میں شرعی پردہ بھی رائج ہے' لیکن وہ inactive ہے' باطل کے خلاف فعال نہیں ہے' activist نہیں ہے تو

اس کے لئے اس حدیث نبوی میں بہت سارا سامانِ عبرت موجود ہے :

((اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى جِبْرَائِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا ' قَالَ فَقَالَ : يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهَا عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ ' قَالَ فَقَالَ : اِقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ)) .

"اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ فلاں فلاں شہروں کو اس کے رہنے والوں پر الٹ دو (تلپٹ کر دو 'جیسے کہ سدوم اور عامورہ کی بستیوں کے ساتھ کیا گیا' جہاں لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا) حضورؐ فرماتے ہیں کہ اس پر جبرائیل نے عرض کیا: اے رب! اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے جتنی دیر بھی تیری کسی معصیت میں بسر نہیں کی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اس پر اللہ نے فرمایا: الٹو اس بستی کو پہلے اس بد بخت پر 'پھر دوسروں پر 'اس لئے کہ (وہ اتنا بے غیرت اور بے حمیت انسان ہے کہ) میری وجہ سے کبھی 'اس کے چہرے کی رنگت تک نہیں بدلی۔"

اسے اس بات پر کبھی غصہ بھی نہیں آیا کہ اللہ کی شریعت کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ انداز ہ کیجئے اس حدیث میں جس بندے کا ذکر ہو رہا ہے یہ وہ شخص ہے جو ۰.۰۱ فیصد میں سے ہے 'جس کا پلک جھپکنے جتنا وقت بھی کبھی گناہ میں بسر نہیں ہوا۔ اس سے زیادہ پاک صاف 'نیک' زاہد اور عابد کا آپ تصور کر سکتے ہیں؟ یہاں گواہی دینے والا جبرائیل ہے 'کوئی کرائے کا وکیل نہیں ہے 'اور یہ کہ گواہی بھی اللہ کے سامنے دے رہا ہے جہاں ابو جہل بھی جھوٹ نہیں بول سکے گا۔ یہ زاہد و عابد آدمی ایسا بے غیرت ہے کہ کیا مجال اس کو کبھی غصہ آیا ہو کہ اللہ کی شریعت کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ آپ کو کوئی ماں کی گالی دے دے تو اول تو آپ اسے جانے نہیں دیں گے 'لیکن اگر آپ میں طاقت نہیں ہے تو آپ اپنی جگہ کانپ کر رہ جائیں گے 'آپ کے چہرے میں پورے جسم کا خون آ جائے گا۔ اس بد بخت کو تو یہ بھی نہیں ہوا ہے ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

یہ فقط "اللہ ہو" میں لگا رہا۔

تو جان لیجئے کہ واحد مخرج یہ ہے کہ شریعت کے جن اجزاء پر عمل ممکن ہے' چاہے کتنا ہی مشکل ہو' اس پر تو عمل لازم ہے' بقیہ جس پر آپ عمل نہیں کر سکتے اس کا کفارہ یہ ہے کہ منفی طور پر "یَکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ" کیا جائے' اسے ذہناً اور قلباً تسلیم نہ کیا جائے' اس کی چاکری نہ ہو' اس کے ساتھ تعاون نہ ہو' اس کی ملازمت نہ ہو' اسے promote نہ کیا جائے اور اس کے تحت پھلنے پھولنے کی کوشش نہ کی جائے' بلکہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے لئے کم سے کم پر قناعت کرتے ہوئے اپنی صلاحیتوں' قوتوں' توانائیوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کے اندر وقف کر دیا جائے۔ یہ ہے وہ جدوجہد جس کا شریعت کی رو سے جامع عنوان "جہاد فی سبیل اللہ" ہے جس کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں۔ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں مؤمن کی جامع اور مانع تعریف آئی ہے :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

"مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر شک میں نہیں پڑے' اور پھر انہوں نے جہاد کیا اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں۔ صرف یہ لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔"

اس کے بغیر نجات نہیں ہے۔ سورۃ الصف میں فرمایا :

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

"اے اہل ایمان! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتاؤں جو تم کو عذابِ الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر' اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مالوں سے بھی اور اپنی جانوں سے بھی۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو"۔

اگر تم جہنم کی آگ سے بچنا چاہتے ہو تو اس کے لئے یہ ناگزیر ضرورت ہے۔

اُمّتِ مُسلمہ کا فرضِ منصبی

اب میں اپنی دعوتِ قرآنی اور فکرِ قرآنی کا دوسرا نکتہ بیان کر رہا ہوں جو اہم ترین ہے۔ ہم عبادت سے اب جہاد پر آتے ہیں۔ لیکن جہاد کی دو منزلیں ہیں۔ پہلی منزل یہ ہے کہ پہلے اس کی دعوت عام کرنی ہو گی' دعوتِ دین کو پھیلاؤ۔ جو لوگ آئیں انہیں جمع کرو' انہیں منظم کرو' ان کو تربیت دو' تیار کرو' پھر انہیں میدان میں لا کر طاقت کا استعمال کر کے نظام کو بدلو۔ دعوتِ دین' اللہ کی کتاب کی دعوت اور نشر و اشاعت جہاد کا پہلا مرحلہ ہے۔ اس کے لئے اصطلاح "شہادت علی الناس" ہے جو اجتماعی فریضہ ہے' جس کے لئے امت وجود میں آئی ہے :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (البقرۃ : ۱۴۳)

"اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔"

یہ دراصل فریضہ رسالت ہے جو اُمت کو ادا کرنا ہے۔ یہ رسالتِ محمدیؐ کا تسلسل ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ پہلے رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس یہ فریضہ انجام دیا اور اس کے بعد حجۃ الوداع میں آپؐ اسے امت کے حوالے کر کے دنیا سے رخصت ہوئے:

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))

"اب جو موجود ہیں وہ ان تک پہنچائیں جو غیر موجود ہیں"۔

اور اس کی آخری منزل اقامت دین یعنی دین کو قائم کر دینا ہے۔

((لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا))

"تاکہ اللہ کی بات سب سے اونچی ہو جائے۔"

تکبیر رب ہو جائے' اللہ کا کلمہ بلند ہو' اللہ کا حکم بالادست ہو۔ اسی اقامت دین پر جا کر عبادتِ رب بھی مکمل ہو گی۔ اب میں اگر اس نظام کے تحت زندگی گزار رہا ہوں تو میری عبادت مکمل ہو گئی' انفرادی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی۔ میری بندگی اس وقت مکمل ہوئی ہے' اس سے پہلے ناقص تھی۔ اس نقص کی تلافی میں اس جدوجہد سے کر

رہا تھا' اس جدّ و جُہد کی صورت میں مَیں اس گناہ کا کفارہ ادا کر رہا تھا۔ اب اگر یہ ہو گیا تو میری عبادت بھی پوری ہو جائے گی اور شہادت علی النّاس کا تقاضا بھی پورا ہو جائے گا' اور آپ پوری دنیا کو دعوت دے سکیں گے کہ آؤ اپنی آنکھوں سے دیکھو یہ ہے اسلام' یہ ہے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی رحمتٌ لِلعالمینی کا مظہر اَتم' یہ ہے وہ نظامِ حق' نظامِ عدل و قسط' یہ ہے انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت کا مظہر۔ یہ نظام جو اللہ نے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کو دیا اور جسے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کامل کیا :

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدۃ : ۳)

" آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے' اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین قبول کر لیا ہے۔"

یہ ہے میری دینی فکر کی بنیاد۔ اس دینی فکر سے کماحقہ آگاہی کے لئے اب میں لٹریچر تجویز کرتا ہوں۔ اس ضمن میں سب سے اہم تو میرا مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب ہے' جو ایک ایک گھنٹے کے چوالیس کیسٹ پر مشتمل ہے' اب یہ دروس کتابچوں کی صورت میں بھی شائع کر دیئے گئے ہیں۔ یہ میں نے قرآن مجید کے اجزاء منتخب کر کے قرآن کے حوالے سے دعوت پیش کی ہے۔ ایک کتاب "مطالباتِ دین" کے نام سے موجود ہے' جس میں عبادتِ رب' شہادت علی النّاس اور اقامتِ دین تین اصطلاحات کے حوالے سے دین کے مطالبات پیش کئے گئے ہیں۔ "جہاد فی سبیل اللہ" پر کتابچہ موجود ہے۔ انگریزی میں بھی دو گھنٹے کا ویڈیو اور آڈیو موجود ہے اور اُردو میں بھی کہ جہاد کسے کہتے ہیں' جس کو کہ ہم نے دنیا کے اندر بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔ حقیقتِ ایمان پر میرے پانچ لیکچرز ویڈیوز کی صورت میں موجود ہیں۔ میں نے ایمان یعنی ایمان حقیقی کو جتنا emphasize کیا ہے وہ زور کسی اور تحریک میں نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت میں ایمان کی محنت کی بات ضرور ہوتی ہے لیکن وہ علمی اور فکری بنیاد پر نہیں۔

اب ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ ایک ہے بنیادی طور پر کسی فرض کا ادا ہو جانا اور ایک ہے اس کا کماحقہ ادا ہو جانا۔ ایک وہ شخص ہے جو کسی فرضِ عین کی ادائیگی سرے سے نہیں کر رہا تھا' وہ تو فرض کا تارک ہو گیا' لیکن کوئی ہے جس نے اپنی زندگی کو اس رُخ پر تو

ڈھال لیا ہے لیکن اس کے لئے وہ اتنی محنت نہیں کر رہا جتنی کہ وہ کر سکتا تھا' تو اس کا معاملہ بھی اللہ کے ہاں قابل گرفت ہو جائے گا۔ نماز آپ نے جیسے تیسے پڑھی' وہ ادا تو ہو گئی' لیکن اگر اس میں خشوع و خضوع اور استحضار نہ ہوا' اللہ کی طرف انابت ہی نہ ہوئی' اس کی طرف توجہ ہی نہ ہوئی تو بات وہی ہوئی کہ نماز پڑھی تو ہے مگر نماز کی حقیقت حاصل نہ ہوئی۔ چنانچہ پہلی بات تو یہ کہ اس فریضے کی فرضیت کو آدمی پہچان لے جو آج امت مسلمہ کے ذہنوں سے بالکل خارج ہے۔ انہیں نماز' روزے' حج' زکوٰۃ کی فرضیت تو معلوم ہے لیکن "اقامت دین" کی فرضیت معلوم ہی نہیں۔ لیکن اس کے بعد خاص طور پر تنظیم اسلامی کے رفقاء میں سے ہر ایک کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جتنا گڑ ڈالیں گے اتنا ہی میٹھا ہو گا' تو آپ اپنی قوتوں' توانائیوں اور صلاحیتوں کا کتنا حصہ اس کام کے لئے صرف کر رہے ہیں؟ کیا محض قانونی تقاضا پورا ہو رہا ہے یا واقعتاً حتی المقدور اور حسب استطاعت جدوجہد ہو رہی ہے؟ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ :

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾

"اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں ٹھہرائے گا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔"

چنانچہ ہو سکتا ہے کم والا وہاں کامیاب ہو جائے اور زیادہ والا ناکام ہو جائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ کم والے کی استعداد ہی اتنی تھی جتنا اس نے کیا ہے' اس سے زیادہ استعداد ہی نہیں تھی' جبکہ زیادہ والے کی استعداد اس سے کہیں زیادہ تھی' اس نے اپنی استعداد سے کم کیا تو وہ ناکام ہو جائے گا۔

فریضہ اقامتِ دین کی شرطِ لازم : التزامِ جماعت

اب میرا اگلا نکتہ سمجھ لیجئے! اور یہ بھی ہمارے مجموعی دینی فکر سے اوجھل اور بالکل غائب ہے۔ یوں سمجھئے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والا معاملہ ہے۔ اس فرضِ عین کے لئے شرطِ لازم ہے التزامِ جماعت۔ جیسے نماز فرضِ عین ہے' اس کے لئے وضو شرطِ لازم ہے اور اگر پانی نہ ہو تو تیمم ضروری ہے (یہ دونوں الفاظ آپ نوٹ کر لیں) اس کے بغیر تو نماز ہی نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر آپ باطل کے غلبے کے تحت رہ رہے ہیں تو طاغوت کا انکار' نظامِ باطل کو ذہناً اور قلباً تسلیم نہ کرنا' اس کی چاکری نہ کرنا' اس کے تحت پھلنے پھولنے کی

کوشش نہ کرنا' بلکہ اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے لئے کم سے کم پر قناعت کرتے ہوئے اپنے باقی اوقات اور صلاحیتوں اور وسائل و ذرائع کو اللہ کے دین کے لئے کھپا دینا آپ کے لئے فرضِ عین ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ اس کا کفارہ ہے۔ لیکن اس کے لئے التزامِ جماعت لازم ہے۔ جماعت کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے التزامِ جماعت پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور یہ جوامع الکلم قسم کی احادیث ہیں۔ فرمایا : ((عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ)) "تم پر جماعت کا التزام لازم ہے"۔ ((یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ)) "اللہ کا ہاتھ' یعنی اس کی تائید و نصرت جماعت پر آتی ہے"۔

اس ضمن میں عظیم ترین حدیث وہ ہے جو حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے کتاب الامارۃ میں' اور یہ مُسند احمد اور جامع ترمذی کی روایت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا :

((اِنِّیْ اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ [اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ] بِالْجَمَاعَۃِ' وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ' وَالْھِجْرَۃِ' وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))

"(دیکھو مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ (ایک روایت میں اضافی الفاظ ہیں: اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے) جماعت کا' سننے اور ماننے کا اور ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا۔"

خود حدیث میں وضاحت فرما دی گئی کہ جماعت محض لوگوں کا انبوہ نہ ہو' بلکہ سمع و طاعت والی جماعت ہو۔ وہ جماعت Listen and Obey والی ہو' اس کا ڈسپلن مضبوط ہو

Theirs not to reason why?
Theirs but to do and die!

یہ چیزیں عوام کے ذہنوں سے نکل گئی تھیں' خواص بھی ان احادیث کی عجیب و غریب تاویلیں کرتے ہیں کہ بس جی پوری امت جماعت ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ جماعت کا تو ایک امیر یا امام ہوا کرتا ہے' بغیر امام کے جماعت نہیں ہوتی۔ اس جماعت کا امیر کون ہے؟ شاہ فہد صاحب ہیں یا پرویز مشرف صاحب ہیں؟ کسی نے کہا جو ہماری حکومتیں ہیں وہی ہماری جماعتیں ہیں۔ تو گویا کہ آپ کی بیعت پرویز مشرف صاحب سے ہے' یا کبھی بھٹو صاحب سے تھی۔ یہ چور دروازے ہیں' اِدھر سے اُدھر بھاگنا ہے' ذمّہ

داریوں سے کتراتا ہے اور اس کے لئے اس طرح کے عذرات تراشتا ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں کہ جماعت کے بغیر اسلام ہی نہیں۔ نوٹ کیجئے یہ بھی حدیث شمار ہوتی ہے۔ حدیث اخبار اور آثار کا مجموعہ ہے۔ خبر رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل یا تقریر کا نام ہے (تقریر سے مراد ہے کہ کوئی کام حضور ﷺ کے سامنے ہوا اور آپؐ نے اسے نہیں روکا) جبکہ صحابیؓ کے قول و فعل اور تقریر کو ہم اثر کہتے ہیں۔ خبر کی جمع اخبار اور اثر کی جمع آثار ہے۔ چنانچہ یہ بھی حدیث ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

((لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ وَلَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِالْاِمَارَةِ وَلَا اِمَارَةَ اِلَّا بِالطَّاعَةِ))

"جماعت کے بغیر اسلام نہیں ہے، امارت کے بغیر جماعت نہیں ہے اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں ہے"۔

آج افغانستان میں امارت قائم ہے۔ انہوں نے خلافت کا دعویٰ تو نہیں کیا لیکن امارت کا تو کیا ہے اور امارت کی بنیاد بیعت پر ہوتی ہے۔

اب آپ پر لازم ہے کہ فریضہ اقامتِ دین کی جدّوجُہد کے لئے جو بھی موجود (existing) جماعتیں ہیں ان میں سے جس پر آپ کا دل مطمئن ہو اسے قبول کریں اور اس میں بلا تاخیر شامل ہو جائیں۔ اس کے لئے میں آپ کے سامنے چار معیارات (Cardinal Characteristics) رکھ دوں گا۔ ان کی راہنمائی میں آپ تلاش کریں، یہ آپ کا کام ہے۔ ہماری دسویں جماعت کی عربی کی کتاب میں آخری نظم یہ تھی: فَتِّشْ لِقَلْبِكَ عَنْ رَفِيقٍ! "اپنے دل کے لئے کوئی رفیق تلاش کرو"۔ کوئی تو ہو جس سے تم دل کی بات کر سکو۔ میں آپ سے کہتا ہوں ؎ فَتِّشْ لِنَفْسِكَ عَنْ جَمَاعَةٍ! "اپنے لئے کوئی جماعت تلاش کرو!"

اگر کوئی جماعت آپ کے معیار پر پوری نہیں اترتی تو آپ کو ارادہ کرنا ہو گا کہ کھڑے ہوں اور خود جماعت قائم کریں۔ اس میں جو وقت بھی گزرے گا وہ "تیمّم" کے درجے میں ہو گا۔ تیمّم کے لفظی معانی ارادہ کرنے کے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے : ﴿ فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ یعنی "(اگر پانی موجود نہیں ہے) تو قصد کرو پاک مٹی کا"۔ امام اور تیمّم ان الفاظ کا مادہ تو ایک ہی ہے۔ تیمّم یہ ہو گا کہ جو انسان طے کر لے کہ کوئی جماعت

اس کے معیار پر پوری نہیں اتر رہی وہ ارادہ کر لے کہ مجھے اس جدوجہد کے لئے خود جماعت قائم کرنی ہے۔ جو شخص ہر جماعت کو کسی دلیل کی بناء پر رد کرتا ہے کہ اس میں یہ خرابی ہے' اس کا مطلب ہے اس کے ذہن میں جماعت کا ایک تصور موجود ہے' ایک معیار ہے' ایک ہیولا ہے' ایک فریم آف ریفرنس ہے۔ اب اس کو چاہئے کہ اپنے اس ہیولے کو سامنے لائے اور لوگوں سے کہے کہ آؤ میرے دست و بازو بنو! میرے ساتھ جمع ہو جاؤ! ہم جماعت بنیں گے۔ ایک اکیلا ہوتا ہے اور دو کی حیثیت جماعت کی ہوتی ہے۔ ایک امام اور ایک مقتدی ہو تو جماعت بن جائے گی۔

میں اپنی زندگی کا ہلکا سا نقشہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ تقریباً ۱۸ برس کی عمر میں مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی جو اَب میں آپ کے سامنے ۶۸ برس کی عمر میں رکھ رہا ہوں۔ پچاس سال سے میں خود بھی اس پر کاربند ہوں اور میں نے حتی الامکان اسے عام بھی کیا ہے۔ میں زمانہ طالب علمی میں اسلامی جمعیت طلبہ کا رکن رہا اور جس دن میرا ایم بی بی ایس فائنل ایئر کا رزلٹ آیا تو میں اُسی دن چاہتا تھا کہ جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست لکھ دوں تاکہ کوئی ایک رات بھی مجھ پر بغیر جماعت کے نہ آئے۔ ۱۵ دن کی تاخیر صرف اس وجہ سے ہوئی کہ مولانا اصلاحی صاحب اُس وقت قائم مقام امیر جماعت تھے' وہ چاہتے تھے کہ میں لاہور ہی میں مقیم رہوں جب کہ میرا خیال تھا کہ میں منٹگمری (ساہیوال) چلا جاؤں۔ ۱۵ دن اسی معاملے میں گزر گئے' ساہیوال جاتے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا کہ جماعت کی رکنیت کی درخواست دے دی۔ اس میں لکھ دیا کہ چاہتا تو میں یہ تھا کہ ایک دن بھی مجھ پر جماعتی زندگی کے بغیر نہ گزرے' لیکن صرف اس وجہ سے کہ معلوم نہ تھا کہاں settle ہوں گا اور کہاں درخواست دینی چاہئے (حلقہ لاہور میں یا حلقہ اوکاڑہ میں) تقریباً پندرہ دن کی تاخیر ہو گئی ہے۔

پھر جب جماعت سے علیحدہ ہوا تو مسلسل چار سال تک مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا عبدالغفار حسن اور مولانا عبدالرحیم اشرف جیسے بزرگوں کے پیچھے دن رات ایک کیا۔ میری کوشش تھی کہ یہ اکابر ایک جماعت بنالیں۔ میری عمر تو اس وقت پچیس برس تھی۔ تاہم جب ان سے مایوس ہوا تو طے کر لیا تھا کہ میں اب خود کھڑا ہوں گا۔ اُس وقت سے میں "تیمم" پر تھا۔ یہاں تک کہ جب میں نے ۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن

قائم کی تو اُس وقت بھی واضح کر دیا تھا کہ میرے پیش نظر صرف انجمن نہیں ہے' جماعت کا قیام ہے۔ اس کے بعد ۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کرلی۔ چنانچہ "وضو" والا درجہ تو یہ ہے کہ ایک شخص جماعت میں شامل ہے اور ایک درجہ یہ ہے کہ جماعت کا متلاشی ہے' یا یہ کہ طے کر چکا ہے کہ اس وقت مطلوبہ جماعت موجود نہیں ہے اور مجھے خود جماعت بنانی ہے۔ یہ گویا قائم مقام ہو گا' جیسے وضو تیمّم کے قائم مقام ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں صورتیں نہیں ہیں تو پھر وہی بات ہے کہ آپ بغیر جماعت کے ہیں' بغیر جماعت کے ہیں تو آپ اس اقامت دین کی جدوجہد میں شریک نہیں ہیں۔ اور اگر آپ اس جدوجہد میں شریک نہیں ہیں تو کفارہ ادا نہیں کر رہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کی بندگی جزوی ہے اور آپ کے لئے سورۃ البقرۃ کی آیت تلوار بن کر سر پر کھڑی ہوئی ہے :

﴿ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

جہاں تک "خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" یعنی دنیا کی رسوائی کا معاملہ ہے اسے تو ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس آیت کے آخر میں فرمایا : "اللہ اس سے غافل نہیں ہے جو کچھ تم کر رہے ہو"۔ تمہاری ڈاڑھیوں' عمروں' حجّوں سے اور تمہارے اعتکافوں سے اللہ دھوکہ نہیں کھائے گا۔ وہ جانتا ہے تمہاری کمائی حلال کی ہے یا حرام کی ہے' تمہارے گھر میں پردہ بھی نافذ ہے یا نہیں۔ تم تو شریعت کے اتنے حصے پر بھی عمل پیرا نہیں ہو جتنے پر عمل کر سکتے ہو' کجا یہ کہ جس پر عمل کر ہی نہیں سکتے اس کا کفارہ ادا کرو۔

اقامتِ دین کے لئے مطلوبہ جماعت کے خصائص اربعہ

اب آیئے اس جماعت کی تلاش کیسے کی جائے؟ اس جماعت کے چار بنیادی خصائص (Cardinal characteristics) یہ ہیں :

① اس جماعت کا اعلانیہ ہدف (declared goal) اقامت دین ہونا چاہئے۔ کرنے کے اور بھی بہت سے اچھے کام ہیں' جیسے غالب نے کہا ہے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور!

تو اور بھی بہت سے اچھے کام ہیں۔ علمی تعلیمی، تبلیغی، اصلاحی اور خدمتِ خلق کے کام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کام کرنا اچھا ہے، لیکن آپ یہ کہہ لیں کہ یہ سارے کام اس ایک کام میں بالقوۃ موجود ہیں، گویا implied ہیں۔ اس جماعت کا ہدف برملا اور اعلانیہ یہ ہو کہ یہ جماعت اقامتِ دین کی جدّوجُہد کے لئے قائم کی گئی ہے، اس کا مقصد دین کو مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے دنیا میں قائم کرنا ہے۔

② یہ جماعت حد درجے منظم ہو اور سمع و طاعت (Listen and obey) کے اصول پر پوری طرح عمل پیرا ہو، جس میں کہ صرف ایک استثناء ہو گا کہ شریعت کے خلاف کوئی حکم دیا جائے گا تو نہیں مانیں گے، باقی شریعت کے دائرے کے اندر اندر جو بھی نظمِ جماعت کے تحت فیصلہ ہو گا وہ ہمیں قبول کرنا ہو گا اور اس پر عمل کرنا ہو گا۔ اس سمع و طاعت (Listen and obey) کا نام ہی بیعت ہے۔

واضح رہے کہ بیعت "بیع" سے ہے، یعنی اپنے آپ کو بیچ دینا، کسی کے حوالے کر دینا کہ جو حکم دیں گے وہ میں مانوں گا۔ اسی کا تذکرہ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ میں ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ .... فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾

"یقیناً اللہ نے خرید لئے ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں..... پس تم خوشیاں مناؤ اس بیع پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کی ہے۔ یہی ہے اصل کامیابی۔"

پھر جو بیع اللہ سے ہوئی تھی اس کی بیعت حضور ﷺ کے ہاتھ پر ہوئی :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ ﴾

(الفتح : ۱۰)

"(اے نبیؐ!) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے"۔

ایک ہاتھ حضور ﷺ کا ہوتا تھا، دوسرا ہاتھ بیعت کرنے والے صحابی کا، جبکہ تیسرا

غیر مرئی (invisible) ہاتھ اللہ کا۔ یہ بیعت ہے۔

البتہ بیعت کے بارے میں دو وضاحتیں ہیں۔ یہ بیعت دستوری بھی ہو سکتی ہے یعنی اس جماعت کا یہ دستور ہے' یہ مقصد ہے' اقامتِ دین کے لئے یہ جماعت قائم ہوئی ہے' فلاں شخص اس کا رکن بن سکتا ہے۔ یہ ارکان اپنے میں سے ایک معیّن وقت کے لئے امیر چنیں گے' مثلاً پانچ سال کے لئے یا دو سال کے لئے۔ پھر یہ کہ اس کے لئے ایک شوریٰ ہو گی' جسے ارکان جماعت منتخب کریں گے' پھر ارکان اور شوریٰ کے اختیارات کا تعین ہو گا۔ طے کیا جائے گا کہ امیر کے کیا اختیارات ہوں گے۔ یہ دستور (constitution) ہے۔ ایک شخص جماعت میں شامل ہوتے وقت اس دستور کا حلف اٹھائے گا کہ میں اس کی اطاعت کروں گا تو یہی اس کی بیعت ہے یہ دستوری (constitutional) بیعت ہے اور یہ مباح اور جائز ہے' حرام نہیں ہے' لیکن وہ بیعت جو منصوص' مسنون اور ماثور ہے' لہٰذا اس دستوری بیعت سے کم از کم تین درجے افضل ہے' وہ شخصی بیعت ہے' یعنی کسی شخص (individual) سے بیعت کرنا کہ مَیں اپنے آپ کو آپ سے وابستہ کر رہا ہوں' جو حکم آپ دیں گے میں اسے مانوں گا اِلاّ یہ کہ شریعت کے خلاف نہ ہو' اپنا مشورہ ضرور پیش کر دوں گا لیکن فیصلہ آپ کے اختیار میں ہو گا۔ یہ شخصی بیعت ہے۔

میں نے اس کے لئے تین الفاظ (منصوص' مسنون اور ماثور) استعمال کئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی صحابی نے پوچھا : حضورؐ میرے حسنِ سلوک کا اوّلین مستحق کون ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا : تمہاری والدہ۔ پوچھا : پھر کون؟ فرمایا : تمہاری والدہ۔ پھر پوچھا : اس کے بعد کون؟ فرمایا : تمہاری والدہ۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا : تمہارا والد۔ چنانچہ ادب اور خدمت کے حوالے سے والدہ کا حق والد کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے۔ اسی طرح شخصی بیعت دستوری بیعت سے تین گنا افضل ہے۔ اس لئے کہ قرآن اور حدیث میں اس کا ذکر ہے' لہٰذا یہ منصوص ہے۔ پھر یہی مسنون ہے' کیونکہ پوری سیرت میں ہم اسی کا تذکرہ دیکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کے بعد سے لے کر اس صدی کے آغاز تک مسلمانوں کا ہر اجتماعی کام اسی بیعت کی بنیاد پر ہوا ہے' لہٰذا یہ ماثور بھی ہے۔ خلافت کا نظام قائم تھا تو بیعت کی بنیاد پر۔ حضرات ابو بکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ' علی رضی اللہ عنہم کی بیعت منعقد ہوئی تھی۔ پھر یہ کہ خلافت نے ملوکیت کی شکل اختیار کر لی تھی تو وہ

نظام بھی بیعت پر قائم تھا۔ یزید کی امارت کے لئے بھی لوگوں سے بیعت لی گئی تھی۔ اس کے خلاف اگر حضرت حسین ؓ کھڑے ہوئے تو وہ بھی بیعت لے کر۔ عبداللہ بن زبیر ؓ بھی بیعت لے کر کھڑے ہوئے۔ حضرت نفس زکیہ اور امام زید ؒ بیعت لے کر سامنے آئے۔ پھر پچھلی صدی میں جب نو آبادیاتی نظام (colonial rule) آیا تو جس ملک میں بھی اس کے خلاف مزاحمت کی تحریک چلی اور یورپی استعمار کے خلاف جہاد کیا گیا تو وہ بھی بیعت کی بنیاد پر ہی ہوا۔ سوڈان میں مہدی سوڈانی' لیبیا میں سنوسی' الجزائر میں عبدالقادر الجزائری اور روس میں امام شامل نے بیعت کی بنیاد پر لوگوں کو جہاد کے لئے منظم کیا۔ اس ضمن میں سب سے بڑی جہادی تحریک ہندوستان میں سید احمد بریلوی ؒ اور ان کے سب سے بڑے لیفٹیننٹ شاہ اسماعیل شہید ؒ نے اٹھائی جو بیعت کی بنیاد پر ہی تھی۔ اس صدی کے آغاز میں کوشش ہوئی تھی کہ ابوالکلام آزاد کو "امام الہند" مان کر ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے' لیکن وہ کوشش ناکام ہو گئی۔ اس کے بعد مذہبی دنیا میں انتشار ہے' chaos ہے' تفریق در تفریق ہے۔ بہرحال ہم نے تنظیم اسلامی قائم کی ہے' جس کا نظم شخصی بیعت کی بنیاد پر قائم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے جو بیعت لی اس کے الفاظ احادیث میں نقل ہوئے ہیں۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں آئی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں :

((بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَ الْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا وَعَلٰی اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ وَعَلٰی اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَ مَا کُنَّا لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ))

"ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ سے اس پر کہ آپ کا ہر حکم سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے' مشکل میں بھی آسانی میں بھی' چاہے طبیعت آمادہ ہو' چاہے طبیعت پر جبر کرنا پڑے' چاہے ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے' اور جن کو بھی آپ امیر بنائیں گے ہم ان سے جھگڑیں گے نہیں' اور یہ کہ جہاں کہیں بھی ہوں گے حق کہیں گے' اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی

ملامت کے خوف سے زبان پر تالا نہیں ڈالیں گے"۔

یہ اس بیعت کے نکات ہیں جو حدیث میں بیان ہوئے۔ اور اس امت کی اس قدر ناشکری ہے کہ اس وقت بیعت کی بنیاد پر کوئی جماعت قائم نہیں ہے' سوائے تنظیم اسلامی کے۔ ہم نے تنظیم کے رفقاء کے لئے بیعت کے جو الفاظ رکھے ہیں وہ اسی حدیث سے ماخوذ ہیں۔ ہم نے اس بیعت میں "فی المعروف" کا اضافہ کیا ہے : "اِنِّیْ اُبَایِعُکَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْمَعْرُوْفِ" اور یہ اضافہ بھی حدیث کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اسی حدیث کی جو مسلم شریف کی روایت ہے اس میں یہ اضافی الفاظ موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو ظاہر بات ہے کوئی غلط حکم نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن فرض کریں آپؐ نے کوئی لشکر بھیجا ہے تو اس کا ایک امیر ہے' اس کی اطاعت بھی تو کرنی ہے' وہ امیر کوئی غلط کام کر سکتا ہے' غلط حکم دے سکتا ہے' لہٰذا فرمایا :

((اِلَّآ اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ فِیْهِ مِنَ اللّٰهِ بُرْهَانٌ))

"اِلّا یہ کہ تم کوئی ایسا کفر دیکھو (اپنے امیر کی طرف سے) جس کے لئے تمہارے پاس (کتاب وسنّت سے) کھلی دلیل موجود ہو (کہ یہ کفر ہے)"۔

تب تم کہہ سکتے ہو کہ "لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ"۔ ہم نے اپنی بیعت میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ بیعت کے باقی الفاظ وہی ہیں جو متذکرہ بالا حدیث میں آئے ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے' جس میں یہ الفاظ آئے ہیں :

((مَنْ مَّاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَیْعَةٌ مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً))

"جو مسلمان مرا اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں ہے وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

دیکھئے کس قدر دو ٹوک الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ بیعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ اپنے آپ کو بیچ دینا۔ جیسے آپ قربانی کے لئے جانور خرید کر لے جا رہے ہوتے ہیں تو اس کی گردن میں آپ نے ایک رسّی ڈالی ہوئی ہوتی ہے' جو آپ نے خود تھام رکھی ہوتی ہے ——— بالکل یہی کیفیت نظم جماعت کی ہے۔

جس کی آپ نے بیعت کی ہے گویا کہ اپنی گردن میں قلادہ ڈال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے کہ جدھر حکم دو گے ادھر مڑ جائیں گے۔ لیکن اگر کسی شخص کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ جاہلیت سے مراد حضور ﷺ سے پہلے کا معاشرہ ہے۔

اس بیعت کی دو ہی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ اوّلاً : اسلامی نظامِ خلافت موجود ہے تو خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گی۔ اور ثانیاً : اگر اسلامی نظام خلافت موجود نہیں ہے تو وہ خود بخود آسمان سے تو ٹپکے گا نہیں' اسے قائم کرنے لئے جدوجہد کرنی پڑے گی اور اس جدوجہد کے لئے جماعت اسی طرح لازم و ملزوم ہے جیسے نماز کے لئے وضو۔ چنانچہ جماعت کے امیر کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے گی۔ تیسری کوئی شکل سرے سے ہے ہی نہیں۔ لیکن تاویلیں کرنے والے نہ معلوم کیا کیا تاویلیں کرتے ہیں۔

اقامت دین کی جدوجہد کے لئے مطلوبہ جماعت کے خصائص اربعہ میں سے دو میں نے آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ ان کا اعادہ کرتے ہوئے آگے چلئے :

① اس جماعت کے پیش نظر اقامت دین کا اعلانیہ ہدف ہو۔

② اس کا نظم سمع و طاعت والا ہو' چاہے وہ دستوری بیعت ہو جو کہ مباح اور جائز ہے' چاہے وہ شخصی بیعت ہو جو کہ تین درجے بہتر ہے۔

③ آپ یہ معلوم کیجئے کہ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے اس جماعت کے پیش نظر طریقہ کار کیا ہے۔ ان سے معلوم کیجئے کہ آپ کیا کام کرنا چاہتے ہیں اور کیسے کرنا چاہتے ہیں؟ آپ ہمیں بتایئے کہ سیرت النبیؐ کے ساتھ اس کا کیا ربط و تعلق ہے؟ حضور ﷺ کے منہاج کے ساتھ اس کا کیا correlation ہے؟ ان موضوعات پر میرے کتابچے موجود ہیں۔ بیعت سمع و طاعت کے موضوع پر میرا اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی کتابچہ موجود ہے۔ منہج انقلاب نبوی کے عنوان سے چار سو صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب موجود ہے۔ ان موضوعات پر میرے بے شمار خطابات ہوئے ہیں' مختصر بھی ہیں' مطول بھی ہیں اور ان کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ موجود ہیں۔ اقامت دین یا انقلاب اسلامی کی جدوجہد کے لئے جو طریق کار اختیار کیا جائے وہ سیرت النبی سے ماخوذ ہونا چاہئے اور اگر اس میں کہیں حالات کی مناسبت سے تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو' اجتہاد کرنا لازم ہو تو معین کرنا چاہئے کہ موجودہ حالات میں کیا بنیادی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے ہمیں یہاں اجتہاد

کرنا پڑا' اور وہ معین اجتہاد ہو گا۔ یہ نہیں کہ سارے مسنون راستے کو ہم نے چھوڑ دیا۔

④ چوتھی اور آخری بات یہ کہ اس جماعت کی قیادت کے قریب ہو کر انہیں دیکھیں اور پرکھیں۔ اس لئے کہ پیچھے چلنے والوں میں تو ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کے پیچھے صف اوّل میں عبداللہ بن ابی منافق اعظم بھی کھڑا ہوتا تھا اور جب حضور ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوتے تو وہ اپنی چوہدراہٹ ظاہر کرنے کے لئے کہا کرتا کہ لوگو غور سے سنو! یہ اللہ کے رسول ہیں' ان کی بات توجہ سے سنو! پیچھے چلنے والوں کا معاملہ مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آپ قیادت کے قریب ہو کر سونگھیں کہ خلوص و اخلاص اور للّٰہیت کی خوشبو آ رہی ہے یا نفسانیت کی بدبو آ رہی ہے۔ کہیں اپنی شخصیت کی promotion یا جائیداد بنانے یا اپنے مفادات اور کاروبار چمکانے کے لئے تو یہ سارا ڈھونگ نہیں رچایا ہوا ہے۔ میں نے "سونگھنے" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ تو بڑا مشکل ہوتا ہے کہ بہت تفصیل میں جا کر آپ دیکھ سکیں' البتہ ع "دل را بدل رہیست" کے مصداق آپ کو خوشبو آ جائے گی یا بدبو بھی آ جائے گی۔

ان چار معیارات پر جو جماعت پاس مارکس بھی لے جائے آپ پر فرض عین ہے کہ اس میں شامل ہوں۔ آپ کا ایک دن بھی اس میں شمولیت کے بغیر نہیں گزرنا چاہئے۔ ورنہ آپ کا یہ دن کفر میں گزرے گا۔ سائیں عبدالرزاق صاحب کا یہ جملہ آپ نے سنا ہو گا "جو دم غافل سو دم کافر!" یعنی صوفیاء کے نزدیک کفر اور اسلام کی ایک definition یہ بھی ہے کہ انسان کا جو سانس اللہ کی یاد کے بغیر گزر رہا ہے وہ کفر کا سانس ہے۔ اقبال بھی کہتا ہے ؎

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

میرے نزدیک آپ پر جو دن اور رات جماعتی زندگی کے بغیر گزرے وہ دن کفر کا دن اور وہ رات کفر کی رات ہے۔

البتہ کسی جماعت میں شامل ہو کر بھی آنکھوں پر تعصب کی پٹی مت باندھ لیجئے۔ مزید غور کیجئے' سوچتے رہیئے' آنکھیں دیکھتی رہیں' کان سنتے رہیں' دماغ سوچتا رہے' اگر اس

سے بہتر کوئی جماعت نظر آئے تو اِسے چھوڑ کر اُس میں شامل ہو جائیں۔ اس لئے کہ اب نبی کی جماعت کوئی نہیں۔ نبی کی جماعت میں ایک دفعہ شامل ہو کر' ایک مرتبہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر اگر آپ اسے چھوڑ دیں گے تو "مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ" کے مصداق ٹھہریں گے۔ اب تو کوئی جماعت نبی کی جماعت نہیں ہے' سب ہمارے جیسے انسان ہیں۔ ہاں اللہ نے کسی کو درد زیادہ دے دیا' کسی کو سوچ اور فکر زیادہ دے دی' کسی میں قوتِ کار زیادہ رکھ دی' کسی کے اندر ذہانت زیادہ ہے کسی کے لئے حالات ایسے سازگار کر دیئے کہ اس پر حق واضح ہو گیا اور اس کو قبول کرنے کی ہمت بھی ہو گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' لیکن یہ کہ اس سے بڑھ کر کسی کو کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے۔ جیسے کہ ہم سورۂ حٰم السجدۃ کے درس میں پڑھتے ہیں :

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ ﴾

"اور اُس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے اور عمل صالح پر کاربند ہو اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔

یعنی میں تم پر کوئی دھونس نہیں جمانا چاہتا کہ میں کوئی بہت بڑا متقی' بڑی روحانی شخصیت کا مالک اور کوئی بڑا عارف باللہ ہوں' بلکہ میں عام مسلمان ہوں۔

یہ ہیں جماعت کے ضمن میں وہ چار خصائص جو دیکھنے ضروری ہیں۔ اگر ان خصائص پر پورا اترنے والی کوئی جماعت نہ ملے تو کھڑے ہو جائیں' کمر ہمت کس لیں اور اپنی جماعت بنانے کی تیاری کریں۔

گر جیت گئے تو کیا کہنے' ہارے بھی تو بازی مات نہیں!

اب آخری نکتہ یہ کہ اگر ہم یہ جدوجہد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا! جیسے میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے پوری زندگی یہ جدوجہد کی ہے' اس کے لئے اللہ ہی نے میرے لئے حالات سازگار بنائے۔ اب دو ہی امکانات ہیں کہ یا تو میں اسی دنیا میں اپنی زندگی ہی میں کامیابی دیکھ لوں یا مجھے اس زندگی میں اس کوشش کا کوئی ثمر نظر نہ آئے۔ تو جان لیجئے کہ اگر ہم دنیا میں ناکام رہتے ہیں تب بھی یہ ناکامی نہیں ہے' اس لئے

کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ اگر میں نے یہ ساری جدو کوشش خلوص و للّٰہیت کے ساتھ کی ہے تو کم سے کم انفرادی سطح پر میری نجات لازم ہے۔ اگر کسی میں یہ کہنے کی ہمت ہے کہ اے اللہ! تو نے مجھے جو توانائی' قوت' ذہانت' صلاحیت' وسائل و ذرائع اور جو اولاد دی وہ میں نے اسی کام کے اندر لگادی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات کی امید کی جاسکتی ہے۔ اگر یہ ہو جائے تو ﴿ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ یہی سب سے بڑی کامیابی ہو جائے گی۔ دوسری چیز (دنیا میں نصرت و کامیابی) کو تو قرآن ایک طرح سے تنقید کے انداز میں بیان کرتا ہے ﴿ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ﴾ "ایک اور شے جو تمہیں بہت پسند ہے" اللہ کو تو اس سے غرض ہی نہیں۔ اللہ کو اگر اس سے غرض ہو کہ دین قائم ہو جائے تو اسے ایک آن میں قائم کر دے ﴿ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴾ یہ سارا سلسلہ تو تمہارے امتحان کے لئے ہے۔ اس جدوجہد میں اپنی جانیں قربان کرنے والے کامیاب ہیں' چاہے وہ حضرت سمیہ اور یاسر رضی اللہ عنہما کی طرح مکے میں ہی شہید کر دیئے گئے۔ اس سے بڑی کامیابی کس کی ہو گی جن کو حضور ﷺ نے خبر دی تھی کہ ((اِصْبِرُوْا يَا آلَ يَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةَ)) "اے یاسر کے گھر والو! صبر کرو' تمہارے استقبال کی تیاریاں تو جنت میں ہو رہی ہیں"۔ حضرت حمزہ سمیت ستر صحابہ رضی اللہ عنہم غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ ابھی تو سمجھئے پانچ سال کے بعد وہ منظر سامنے آنا تھا کہ جب حضور ﷺ دس ہزار کے لشکر کے ہمراہ مکے میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ ستر بیرِ معونہ پر لے جا کر ذبح کر دیئے گئے۔ اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے۔ ﴿ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ﴾ "وہی ہے اصل ہار جیت کا دن"۔ اصل کامیابی وہاں کی کامیابی ہے"۔

میری آج کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ جدوجہد نہیں ہے تو انفرادی نجات قطعاً نہیں ہے۔ اگر قرآن سچا ہے اور محمد ﷺ سچے ہیں تو میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ اس کے بغیر ہماری انفرادی نجات ممکن نہیں ہے۔ یہ میرے پچاس برس کے مطالعہ قرآن کا حاصل' لب لباب اور خلاصہ ہے۔

ہماری اس جدوجہد اور کوشش کا نتیجہ ہمارے سامنے بھی نکل سکتا ہے کہ ہم دنیوی اعتبار سے بھی کامیاب ہو جائیں ـــــ اور ان شاء اللہ ضرور ہوں گے' آج نہیں تو کل ہوں گے' ہم نہیں ہوں گے تو ہماری اگلی نسل ہو گی۔ اس لئے کہ اس کی خبر تو محمد رسول

اللہ ﷺ نے دی ہے۔ اور اگر ہم کسی ایک ملک میں بھی اس نظام کو قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ پوری امت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔ یہ اصل میں میرے فکر کی ایک اور dimension ہے۔ اس پر میری کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی، حال اور مستقبل" کے عنوان سے موجود ہے۔

اس وقت امت مسلمہ عذابِ الٰہی کی گرفت میں ہے۔ اس کی ایک وجہ میں آپ کے سامنے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ دین پر ہمارا عمل جزوی ہے، لہٰذا ہم ﴿ خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ اور ﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ﴾ کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ اس کی عملی مثال کبھی یہودی تھے، آج ہم ہیں۔ دوسری بات یہ سمجھ لیجئے کہ جو امت حامل کتاب ہوتی ہے، شریعت الٰہی کی حامل ہوتی ہے اور اللہ کے رسول کی امت ہونے کی مدعی ہوتی ہے وہ زمین پر اللہ کی نمائندہ ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے عمل سے غلط نمائندگی کرے تو وہ کافروں سے بڑھ کر مجرم ہے۔ اس وجہ سے آج ہم عذاب الٰہی کی گرفت میں ہیں اور عذاب الٰہی کی یہ گرفت ڈھیلی نہیں پڑھے گی، ہلکی بھی نہیں ہوگی، سخت سے سخت تر ہوتی چلی جائے گی جب تک کہ کسی ایک قابل ذکر ملک میں اللہ کے نظام کو قائم کر کے پوری دنیا کے لئے فرض کفایہ ادا نہ ہو جائے کہ بھئی دیکھو، یہ ہے اسلام۔ آؤ اپنی آنکھوں سے دیکھو، یہ ہے اسلام کا نظامِ حکومت، یہ ہے اسلام کا معاشی، عمرانی اور سوشل نظام۔ آؤ اور اس کی برکات کو دیکھو۔ افغانستان میں نظام اسلام کی تھوڑی سی برکات ہمارے ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب دیکھ کر آئے ہیں۔ وہاں اگرچہ ابھی نظام کی بات نہیں ہے، لیکن شریعت کے احکام کچھ نافذ ہوئے ہیں، ان کی برکتیں وہ دیکھ کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر دوسرے ملکوں میں بھی وہی نظام نافذ ہو جائے جو وہاں ہے تو پوری دنیا مسلمان ہو جائے گی۔ یہ تاثر ڈاکٹر جاوید اقبال کا ہے حالانکہ وہ آزاد خیال آدمی ہیں۔ میں نے ان کا یہ بیان پڑھا تو ان کے پاس وقت لے کر گیا اور انہیں مبارک باد پیش کی۔ نوٹ کیجئے کہ اگر ہم یہ کرتے ہیں تو پوری امت کی جانب سے فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دورِ ثانی

اب اس کے ضمن میں چند سال سے میرا ایک فکر سامنے آیا ہے جس سے کہ ہم نے

خلافت کی تحریک کا آغاز کیا۔ اس کے نکات نوٹ کر لیجئے :

① اس دنیا کے خاتمے سے قبل کل روئے ارضی پر اللہ کا دین قائم ہو کر رہے گا۔ اس کے ضمن میں ہم نے بہت سی احادیث عام کی ہیں اور ان احادیث پر مشتمل کتابچے ہم نے لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کئے ہیں۔

② اس بات کے اشارے ملتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نقطۂ آغاز ارضِ افغانستان اور پاکستان ہوں گے' اگرچہ حالات ان کے لئے بھی بہت سخت ہیں اور ہمارے لئے بھی بہت کڑے ہیں۔ لیکن ان دونوں ممالک کا معاملہ بڑا عجیب ہے۔ دستوری اعتبار سے پاکستان میں خلافت کے تمام تقاضے تقریباً پورے کئے جا چکے ہیں' اگرچہ دستور کے اندر چور دروازے رکھے ہوئے ہیں' اسی لئے میں اسے "منافقت کا پلندہ" کہتا ہوں۔ لیکن اگر یہ چور دروازے بند کر دیئے جائیں تو ہمارا دستور کامل اسلامی دستور ہو جائے گا۔ اللہ کی حاکمیت پر مشتمل قرار داد مقاصد موجود ہے' جس میں واضح کہا گیا ہے کہ ہمارے پاس جو اختیار ہے وہ ہمارا ذاتی نہیں ہے' بلکہ ہمارے پاس یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مقدس امانت ہے اور یہ اختیار صرف حاکم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی معین کردہ حدود ہی میں استعمال ہو گا۔

اس دستور کی دفعہ ۲۲۷ بھی موجود ہے :

No legislation can be done here repugnant to the Quran and the Sunnah.

لیکن چور دروازے بھی ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ موجود ہے لیکن اس پر ایک ہتھکڑی اور ایک بیڑی اب تک پڑی ہوئی ہے۔ ایک بیڑی (معاشی معاملات سے متعلق) اتفاق سے دس سال قبل کھل گئی تھی۔ تب اس نے فیصلہ دیا تھا کہ بینک انٹرسٹ سود ہے' ربا ہے اور حرام ہے۔ ابھی تک تو ہم اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکے اور عملی اعتبار سے بہت دور ہیں' لیکن دستوری اعتبار سے آج ہم نظامِ خلافت کے بہت قریب ہیں۔ آج کی دنیا کے اعتبار سے دستور کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ سیاسی اور معاشی اعتبار سے نظری طور پر ہم نے بہت پیش رفت کر لی ہے لیکن حقیقتاً قوانین شریعت کا معاملہ بہت کمزور اور نہ ہونے کے برابر ہے' جبکہ افغانستان میں تو دستور اور نظام کا ابھی تصور ہی نہیں ہے۔ تاہم انہوں نے

شریعت اسلامی کے ایک خاص مکتب فقہ یعنی فقہ حنفی کی تنفیذ کر دی ہے۔

دونوں ملکوں کے حالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب قدرت ہمیں قریب سے قریب تر ہونے پر مجبور کر رہی ہے۔ افغانستان میں روس کا اپنی فوجیں داخل کر دینا' جواب میں وہاں سے شدید ردعمل کا اٹھنا' پھر ضیاء الحق کے دور میں امریکہ کو پاکستان کی ضرورت پڑ جانا اور پاکستان کے راستے روس کے خلاف افغان مجاہدین کی مدد کرنا' یہ سب معاملات ایسے تھے کہ ان کے نتیجے میں ہم نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایٹم بم بھی بنالیا۔ پھر اس موقع نے ہمیں افغانستان کے قریب تر کر دیا۔ آپ تصور کیجئے کہ یہ وہ ملک تھا جس کا شہر کابل بے حیائی' عریانی اور فحاشی میں پیرس کی مانند تھا۔ ظاہر شاہ جب پاکستان آئے تھے تو ان کے ساتھ ان کی ملکہ سکرٹ میں ملبوس تھیں' نیم عریاں لباس میں تھیں اور اب وہاں برقعہ کے بغیر کوئی عورت نظر نہیں آسکتی۔ کیسی کیسی کرامات ظہور میں آگئی ہیں۔ اب اگر وہاں پابندیاں لگتی ہیں تو پاکستان کڑے امتحان میں گرفتار ہو جائے گا۔ اب ہمارے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو اقوام متحدہ کے خلاف بغاوت کیجئے۔ اور اگر نہیں کرتے اور افغانستان کے معاملے میں اس کی عائد کردہ پابندیوں کو قبول کرتے ہیں تو اس ملک کے اندر ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ اگر کسی کے اندر ذرا سی بھی بصیرت ہے تو وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ لہٰذا امریکہ خود ہمیں ایک رسّی کے ساتھ باندھ رہا ہے کہ تم ایک ہی ہو' باہم جڑ جاؤ' ایک ہو جاؤ۔

نظام خلافت کی علمبردار دو تنظیموں حزب التحریر اور المہاجرون نے پاکستان میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے۔ شہر بھر میں بہت بڑے پیمانے پر ان کے بینرز لگے ہیں اور بڑے خوبصورت اور نفیس ہینڈ بل شائع ہو رہے ہیں۔ ان میں ای میل ایڈریس بھی دیئے گئے ہیں۔ کم از کم ایک گروپ کا تو پورا پتہ بھی تحریر ہے' ان کا دفتر یہیں گارڈن ٹاؤن میں ہے۔ ایک صاحب نے جو جماعت اسلامی کے رکن ہیں مجھ سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کا راستہ روکنے کے لئے حکومت کی ایجنسیز نے یہ سلسلہ اٹھایا ہے۔ انہیں شاید معلوم نہیں ہو گا' میں ان کا پس منظر جانتا ہوں۔ ان تنظیموں کا رشتہ الاخوان المسلمون سے قریباً وہی ہے جو تنظیم اسلامی کا رشتہ جماعت اسلامی سے ہے' بہت تھوڑا سا فرق ہے۔ میں جمعیت اور جماعت میں دس برس شامل رہا ہوں اور مولانا مودودیؒ سے

بہت قریب رہا ہوں۔ علامہ تقی الدین نبہانیؒ الاخوان کے اوّلین مرشد عام اور مؤسس یعنی حسن البناء شہیدؒ کے قریبی دوستوں میں سے تھے' لیکن غالباً الاخوان میں یہ شامل نہیں ہوئے تھے' تاہم فکر ایک ہی تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے طور پر "حزب التحریر" قائم کی۔ یہ اردن کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے کافی کتابیں لکھی تھیں اور خاص طور پر اسلامی فقہ ان کا موضوع تھا۔ یعنی اب اگر اسلامی نظام قائم ہو گا تو اس میں فقہی اعتبار سے کیا کیا امور غور طلب ہیں' اس حوالے سے انہوں نے کافی کام کیا ہے۔ چند سال پہلے حزب التحریر ہی سے "المہاجرون" کا گروپ علیحدہ ہوا ہے۔ انگلینڈ میں حزب التحریر کے بہت بڑے لیڈر بکری تھے' جنہوں نے علیحدہ ہو کر المہاجرون قائم کی ہے۔ ان کا بنیادی فکر ایک ہی ہے۔ یہ اصل میں انہی احیائی تحریکوں کا تسلسل ہے جو ایک وقت میں عالم اسلام میں شروع ہوئی تھیں۔ انڈونیشیا میں مسجومی پارٹی' ہندوستان میں جماعت اسلامی' ایران میں فدائین' مصر میں الاخوان' لبنان میں عبادالرحمٰن اور ترکی میں سعید نورسی کی تحریک' یہ تمام تحریکیں ایک وقت میں شروع ہوئی ہیں۔ نعیم صدیقی صاحب نے ان تحریکوں کے بارے میں بڑا پیارا شعر کہا تھا۔ ؎

ہے ایک ہی جذبہ کہیں واضح کہیں مبہم
ہے ایک ہی نغمہ کہیں اونچا کہیں مدّھم!

ان تحریکوں میں ایک ہی نغمہ یعنی ایک ہی فکر اور ایک ہی سوچ کارفرما ہے۔ ان تحریکوں پر چونکہ ستر برس گزر گئے ہیں لہٰذا ان پر بڑھاپا بھی طاری ہو گیا ہے۔ اب تک کسی کو خاص کامیابی بھی حاصل نہیں ہو سکی۔ ان میں سے کچھ گروپ علیحدہ ہوئے ہیں۔ جیسے میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوا تو میں نے ایک علیحدہ جماعت تنظیم اسلامی بنائی' لیکن میرا فکر تو وہی ہے۔ میں نے اس فکر سے کبھی اعلان براءت نہیں کیا۔ اسی طرح یہ تحریک حزب التحریر ہے۔ یہ لوگ خلافت کے عنوان سے کام کر رہے ہیں۔ ان کے لوگ اکثر امریکہ یا انگلینڈ میں ہیں' عالم اسلام میں ان پر ہر جگہ پابندی عائد ہے' سوائے پاکستان کے کہ یہاں کچھ آزادیاں حاصل ہیں۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے ایک بار بتایا تھا کہ لندن میں ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں پوری دنیا کی اہم اسلامی تحریکوں کے کارکن

جمع ہوئے اور وہاں اس بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ پوری دنیا میں اسلام کے صحیح اور مکمل نظام کا اگر کوئی امکان کسی ملک میں ہے تو وہ صرف اور صرف پاکستان ہے۔ اس کے ضمن میں یہ ایک مزید گواہی ہے کہ حزب التحریر اور المہاجرون نے یہ سمجھا ہے کہ کام کرنے کا موقع اگر کہیں ہے تو یہاں ہے' کیونکہ یہاں پر بہرحال حقوق ہیں۔ آپ بات کر سکتے ہیں' تقریریں کر سکتے ہیں' آپ جماعت بنا سکتے ہیں' جب تک امن و امکان کا مسئلہ نہ کھڑا کیا جائے کوئی توڑ پھوڑ نہ کی جائے اس وقت تک آپ کو آزادیٔ اظہار خیال کے اختیارات حاصل ہیں۔ اس وجہ سے یہ تحریکیں یہاں آئی ہیں۔ اللہ کرے ان کے ذریعے سے بھی مزید کچھ لوگوں کے اندر آگاہی (awareness) پیدا ہو جائے۔ بہرحال یہ بھی درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ؎

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے!

اصل بات ہمت' ارادے اور عزم کی ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے استقامت طلب کرنی چاہئے۔

اقول قولی ھٰذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

- نظام خلافت کیا ہے؟
- یہ کن بنیادوں پر قائم ہو گا؟
- عہد حاضر میں نظام خلافت کا دستوری' قانونی' معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ کیا ہو گا؟
- اس کے قیام کے لئے سیرت نبویؐ سے ماخوذ طریق کار کون سا ہے؟

ان تمام سوالات کے جامع' واضح اور مدلل جوابات پر مشتمل ایک بیش قیمت علمی دستاویز

"خطباتِ خلافت"

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد کے چار خطبات کا مجموعہ

سفید کاغذ' عمدہ طباعت' صفحات 212' قیمت : (اشاعت خاص)80' اشاعت عام : 45 روپے

پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلہ وار پروگرام

حقیقتِ دین

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(۳)

خطبہ مسنونہ اور تعوّذ و تسمیہ کے بعد فرمایا :

گزشتہ نشست میں ہم نے حقیقتِ ایمان کے ضمن میں ایمان کے لفظی اور اصطلاحی معانی اور ایمان کے موضوع پر گفتگو کی تھی۔ اُس وقت یہ عرض کیا گیا تھا کہ ایمان کا مادّہ "امن" ہے۔ اس ضمن میں سورۃ الانعام کی آیت ۸۲ تلاوت کی گئی تھی :

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ۝ ﴾

"یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان میں کسی شرک کی آمیزش نہیں ہونے دی ان کے لئے امن ہو گا اور وہی ہدایت یافتہ ہوں گے"۔

گویا ایمان اور امن کا لازم و ملزوم کا تعلق ہے۔

گفتگو کے آخر میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے دین کی دونوں بنیادی اصطلاحات میں "ایمان" امن سے نکلا ہے اور اسلام "سلامتی" سے۔ چنانچہ حضور ﷺ ہر ماہ کا نیا چاند دیکھ کر جو دعا مانگا کرتے تھے اس میں اِس نسبت کو واضح کیا گیا ہے :

((اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ .....))

"اے اللہ! اس ہلال سے جو مہینہ طلوع ہو رہا ہے اسے ہم پر امن اور ایمان کے ساتھ، سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع فرما....."

آج ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ایمان جن مابعد الطبیعیاتی مسائل اور فلسفیانہ سوالات کا جواب ہے اور جو ہر باشعور انسان کے ذہن میں پیدا ہونے چاہئیں، ان سوالات کے جوابات فلاسفہ نے بھی دیئے ہیں، لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ ہماری سوچ اور غور و فکر کا نتیجہ

ہے اور اس میں وہ کہیں بھی یقینی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ لیکن انہی سوالات اور مسائل کے جوابات انبیاء نے اس دعوے کے ساتھ دیئے ہیں کہ ہمیں یہ جوابات ایک ایسے ذریعۂ علم سے معلوم ہوئے ہیں جو عام انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔ اس ذریعہ کا نام وحی ہے۔ وحی کے ذریعے سے ہم جو بات بتا رہے ہیں وہ حتمی اور یقینی ہے' اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ "یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔"

دیکھنا یہ ہے کہ انبیاء نے ان فلسفیانہ سوالات کا کیا جواب دیا ہے۔ ابتداء ہی میں پہلے یہ نوٹ کر لیجئے کہ تمام انبیاء کا جواب ایک ہی ہے' ان میں سرمو فرق نہیں۔ یعنی یہ کہ دین کی اصل اساس اور بنیاد (ایمان) تمام انبیاء و رسل کے مابین متفق علیہ ہے' جبکہ شرعی احکام کے اندر ردّ و بدل ہوتا رہا ہے۔ انبیاء ان سوالوں کے جو جواب دیتے ہیں وہ آگے بیان کئے جا رہے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ یہ کائنات' کُل سلسلۂ کون و مکان نہ ہمیشہ سے ہے اور نہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ حادث اور فانی ہے' اس کی تخلیق ایک خاص وقت پر اور ایک معیّن مدّت تک کے لئے ہوئی ہے جسے قرآن "اِلٰی اَجَلٍ مُسَمًّی" کہتا ہے۔ اس کی ایک مدّت معیّن ہے' اُس وقت تک یہ نظام قائم رہے گا اور پھر ختم ہو جائے گا۔ البتہ وہ ذات کہ جو اس کی خالق ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی' وہ ذات اکیلی اور یکتا ہے' اس کے مانند کوئی نہیں' اس سے مشابہ کوئی نہیں' اس کا ہمسر کوئی نہیں' اس کا 'کفو' اور مدِّمقابل کوئی نہیں۔ نہ اس کی ذات میں اس سے کوئی مشابہ ہے نہ اس کی صفات میں اس کا کوئی ہمسر ہے۔ وہ ذات ان تمام صفات سے متّصف ہے جنہیں عام طور پر لوگ اچھا سمجھتے ہیں۔ تمام اسمائے حسنٰی اسی کے ہیں اور تمام صفاتِ جمال و کمال کے ساتھ وہ بتمام و کمال متّصف ہے۔ اس ذات میں کوئی عیب ہے نہ کوئی نقص' نہ اس کے اندر کوئی ضعف ہے اور نہ ہی اسے کوئی احتیاج لاحق ہوتی ہے۔ وہ ان تمام چیزوں سے اعلیٰ' ارفع اور منزہ ہے۔ جب ہم "سبحان اللہ" کہتے ہیں تو اسی بات کا اقرار کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام صفات و کمال سے متّصف ہونے کا اظہار ہم "الحمد للہ" کہہ کر کرتے ہیں کہ کل تعریف اور کل ثناء اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کی ذات کے ضمن میں قرآن مجید کی جامع ترین سورت سورۃ

الاخلاص ہے۔ اسی لئے اسے حضور ﷺ نے تہائی قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ـــــ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ○ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ○ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○ ﴾

"کہو کہ وہ اللہ اکیلا' یکتا اور تنہا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں (وہ سب کا سہارا ہے' وہ خود بخود قائم ہے' لیکن باقی جو کچھ ہے اس کے قائم کئے ہوئے قائم ہے۔) اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ خود جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر اور ہم پلہ ہے"۔

ان امور کے ماننے اور یقین کرنے کا نام ایمان باللہ ہے۔ اور اسی کے لئے دوسری اصطلاح توحید ہے۔

آگے چلئے! انبیاء کرام علیہم السلام نے یہ بھی بتایا کہ وہ اللہ جس کی یہ شانیں ہیں وہ اس کل کائنات کا خالق ہے۔ آسمان' زمین' کہکشائیں (Galaxies) جنّات' ملائکہ' انسان اور حیوانات سب کے سب اس کی مخلوق ہیں' لیکن اس کی تخلیق کا نقطۂ عروج انسان ہے۔ اسے اس نے اس زمین پر اپنی خلافت کے لئے پیدا کیا ہے۔

﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾

"میں اس زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

خلافتِ ارضی کے حامل اس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ خَلَقْتُهٗ بِیَدَیَّ ﴾ "میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا"۔ پھر تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کے سامنے سجدہ کریں۔ اس اعتبار سے اس کے مقام کو سمجھ لیجئے۔

پھر یہ کہ انسان دوسرے تمام حیوانات سے بنیادی طور پر نوعیت کے اعتبار سے (Qualitatively) مختلف ہے۔ اس لئے کہ اس میں حیوانی وجود کے ساتھ ساتھ ایک روحانی وجود بھی ہے۔ اس زمین' فضا یا سمندر میں بقیہ جتنے حیوانات بھی پائے جاتے ہیں وہ سب وجود حیوانی کے حامل ہیں' لیکن اس انسان کو ایک دوسرا وجود بھی عطا کیا گیا ہے اور وہ وجود روحانی ہے۔ اسی کی بنا پر اسے یہ مقام حاصل ہوا کہ تمام فرشتوں کو حکم دیا گیا

کہ اس کے سامنے سجدہ کریں۔ یہ بات قرآن حکیم میں دو مرتبہ آئی ہے' سورۃ الحجر آیت ۲۹'۳۰ اور سورۂ ص آیت ۷۲'۷۳ میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا تھا :

﴿ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ ﴾

"جب میں اس آدم کی تخلیق مکمل کرلوں' اس کی نوک پلک سنوار دوں اور پھر اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا"۔

یہ روحِ ربانی ہے جو آدم میں پھونکی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آدم عام حیوانات کی مانند نہیں بلکہ یہ تو بنیادی طور پر ہی حیوانات سے مختلف ہے۔ دونوں مقامات پر اگلی آیت کے الفاظ یہ ہیں : ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ ﴾ یعنی حضرت آدم کو تمام کے تمام فرشتوں نے جمع ہو کر اجتماعی طور پر سجدہ کیا"۔ اس آیت میں "کُلُّھُمْ" اور "اَجْمَعُوْنَ" کے الفاظ تاکید کیلئے آئے ہیں۔ چنانچہ اس سے کائنات میں انسان کے مقام کا پتہ چلتا ہے۔

اسی طرح انسان کی زندگی بھی ابدی ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ انسان کی زندگی تیس' چالیس' پچاس' ستر یا سو سال ہے تو یہ بڑا گھٹیا تصور ہے۔ انسان جو کہ اشرف المخلوقات' مسجودِ ملائک' خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اور اس کی زندگی صرف یہیں تک محدود ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ؎

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں!

اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ انسان کی زندگی بہت طویل ہے۔ علّامہ اقبال نے بالکل صحیح کہا ہے ؎

تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں' پیہم رواں' ہر دم جواں ہے زندگی!

انسان کی زندگی واقعتاً بہت طویل ہے۔ اس ابدی زندگی میں سے ایک چھوٹا سا حصّہ موت کی صورت میں تھوڑا سا وقفہ دے کر علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ ؎

موت اِک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے بڑھیں دم لے کر!

یہ زندگی جسے ہم دنیا میں بسر کر رہے ہیں اور جسے ہم حیاتِ دُنیوی کہتے ہیں یہ اس زندگی کا بہت چھوٹا سا حصّہ ہے۔ اس موت کے بعد بعث بعد الموت ہے' یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گا جو کہ ابدی زندگی ہو گی اور حقیقت میں زندگی وہی ہے۔ سورۃ العنکبوت میں فرمایا :

﴿ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

"اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے' کاش کہ انہیں معلوم ہوتا"۔

بقول شاعر ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا!

تم نے بس اسی زندگی کو اپنی کل زندگی سمجھ لیا ہے' حالانکہ تمہاری زندگی بہت طویل ہے۔ اس ابدی زندگی سے موت کی صورت میں ایک وقفہ ڈال کر ایک chunk جو یہاں تیس' چالیس' ساٹھ' ستّر سال پر مشتمل ہے' علیٰحدہ کر دیا گیا ہے۔ اس کی غرض وغایت کیا ہے؟ یہ چھوٹا سا حصّہ کیوں علیحدہ کیا گیا؟ اس کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا :

﴿ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾

"اس نے موت و حیات کا سلسلہ اس لئے پیدا کیا کہ (اِس حیاتِ دُنیوی میں) تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے عمل کرنے والا کون ہے"۔

گویا یہ ہماری اس زندگی کا امتحانی وقفہ ہے۔ اسی کو علّامہ اقبال نے اپنی اس نظم میں واضح کیا ہے ؎

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

یہ درحقیقت امتحانی وقفہ ہے۔ جیسا کہ دنیا میں عام امتحان ہوتے ہیں جس میں پرچہ حل کرنے کے لئے تین گھنٹے دیئے جاتے ہیں' آخر میں کہا جاتا ہے کہ stop writing' وقت ختم ہو گیا ہے۔ اسی طرح کسی کو پچاس' کسی کو ساٹھ' کسی کو ستّر سال کم و بیش کا امتحانی وقفہ اس دنیا میں ملتا ہے اور اس کے بعد موت کا پیغام آجاتا ہے۔ گویا یہ کہہ دیا جاتا

ہے کہ stop writing' اب جو عمل کرنے تھے تم نے کر لئے' جو کمائی کرنی تھی کر لی'
اب نتیجے کا انتظار کرو!

در حقیقت زندگی کا تصوّر یہی ہے۔ جب موت آئے گی اس کے بعد پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب دنیا کے تمام انسان جو بھی آدم سے لے کر اس وقت تک پیدا ہوئے ہیں اور جو اس دنیا کے خاتمے تک پیدا ہوں گے ان سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس کو بعث بعد الموت کہتے ہیں' یعنی موت کے بعد دوبارہ اٹھنا۔ پھر اس میں ہمارے تمام اعمال کا محاسبہ ہو گا۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ کر رہے ہیں اس کے ذمہ دار (responsible) اور جواب دہ (accountable) ہیں۔ اس کی جواب دہی کرنی ہو گی' اس کا حساب کتاب ہو گا اور پھر اس پر جزا یا سزا کے فیصلے مترتب ہوں گے۔ اچھے اعمال کئے تو سرخرو ہوں گے اور ﴿ رَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّ جَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴾ انسان کا مقدر ہو گا۔ اور اگر اس کے بر عکس کیفیت ہے (معاذ اللہ) تو اب ابدالآباد تک کے لئے جہنم کی آگ میں جلنا ہو گا۔ در حقیقت یہ ہے حیاتِ انسانی کے بارے میں پورا نقطۂ نظر۔ مرنے کے بعد جی اٹھنے' جزاو سزا کے فیصلے اور جنّت اور دوزخ کے تصور کو مجموعی طور پر "ایمان بالآخرۃ" یا "آخرت پر ایمان" کہتے ہیں۔ اس کے لئے ایک دوسرا لفظ "مَعاد" ہے' اس کے معانی ہیں "لوٹ کر جانے کی جگہ"۔ اس لئے کہ ہم اللہ ہی کے پاس سے آئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ یعنی "ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔"

حضور ﷺ نے نبوّت کے ابتدائی ایام میں اپنے خاندان بنو ہاشم کے لوگوں کو جمع کر کے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کا یہ حصہ نوٹ کیجئے :

((وَاللّٰهِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ' ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ' ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ' ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَّبِالسُّوْءِ سُوْءًا' وَاِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا))

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب پر موت وارد ہو گی جیسے کہ روزانہ رات کو سو جاتے ہو' پھر تم لازماً اٹھا لئے جاؤ گے جیسا کہ روزانہ صبح کو بیدار ہو جاتے ہو' پھر لازماً تم سے حساب لیا جائے گا اس کا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو' پھر

تمہیں لازماً بدلہ مل کر رہے گا اُن اعمال کا جو تم کر رہے ہو' پھر یا تو جنت ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے یا آگ ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے"۔

ان تمام چیزوں کو جب ہم جمع کرتے ہیں تو اس کا نام "ایمان بالمعاد" یا "ایمان بالآخرۃ" ہے۔

اس کے بعد اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ امتحان کچھ سکھا کر اور پڑھا کر لیا جاتا ہے' کچھ دے کر آزمایا جاتا ہے کہ دیکھیں یہ اس کا استعمال کیسے کرتا ہے۔ آپ کسی بچے کے میلانات و رجحانات کا اندازہ کرنا چاہیں تو اسے سو روپے کا نوٹ دیجئے' پھر دیکھئے کہ وہ کتابوں کی دکان کی طرف بھاگ کر جاتا ہے یا کھلونوں کی دکان پر یا کسی چاٹ کی دکان پر۔ اسی سے آپ کو بچے کے میلان کا اندازہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ہم سے جو پوری زندگی کا اتنا بڑا امتحان لیا جا رہا ہے اور پھر اس کا نتیجہ اتنا گھمبیر ہے کہ جو پوری ابدی زندگی پر حاوی ہو گا' اس کے لئے آخر ہمیں کیا لکھایا پڑھایا گیا ہے' ہمیں معلوم ہونا چاہئے۔ یعنی اصطلاحاً ہم یہ کہیں گے کہ اس محاسبۂ اخروی اور امتحانِ دُنیوی کی اساسات کیا ہیں۔ ان اساسات میں سے ایک تو وہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں پہلے سے ودیعت کر دی ہیں۔ یعنی :

① اللہ تعالیٰ نے ہمیں حواس عطا کئے' مثلاً سماعت' بصارت وغیرہ تاکہ ہم علم حاصل کریں اور جو کچھ علم حاصل ہو رہا ہے اس سے اپنی عقل کے ذریعے نتیجے نکالیں۔ اسی لئے فرمایا :

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾

"ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں' تو ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا"۔

② اس سے بڑھ کر اسے عقل بھی دی ﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾ سماعت اور بصارت کے ساتھ انسان کو فواد یعنی عقل' سمجھ اور فہم بھی دیا گیا ہے۔

③ ﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ ﴾ اور نفس انسانی جسے اللہ نے خوب بنایا ہے اور اس میں نیکی اور بدی کا شعور الہامی طور پر ودیعت کر دیا ہے۔

ہمارا نفسِ حیوانی بھی ارتقائی مراحل طے کر کے اب بہت بلند مقام پر پہنچ چکا ہوتا ہے کیونکہ اس میں نیکی اور بدی کی سوجھ بوجھ' شر اور خیر کا امتیاز الہامی طور پر ودیعت کیا گیا ہے۔

④ ہر انسان اپنی فطرت کی بنیاد پر جانتا ہے کہ کیا خیر ہے کیا شر ہے' کیا بھلائی ہے اور کیا برائی ہے۔

⑤ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں اپنی روح میں سے پھونکا ہے تو اس روح میں اللہ تعالیٰ کی اجمالی معرفت اور اس کی محبّت بھی موجود ہے۔

یہ پانچ چیزیں دے کر اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دنیا میں بھیجا ہے اور ان کی بنا پر ہر انسان مسئول اور جواب دہ ہے' خواہ کوئی نبی اور رسول نہ آتا۔ لیکن نبوّت اور رسالت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی پر اپنی آخری حجّت قائم کر دی ہے۔

سوالات

سوال : جن ایمانی حقائق کا آپ نے بیان فرمایا ہے' کیا کوئی شخص آزادانہ غور و فکر کے نتیجے میں ان حقائق تک خود رسائی حاصل کر سکتا ہے؟

جواب : یہ بہت عمدہ سوال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کا جواب اثبات میں ہے۔ اگر دو شرطیں پوری ہوں کہ انسان کی فطرت صحیح و سلیم ہو اور اس کی عقل درست ہو تو وہ انسان کو صحیح راستے پر لے جا سکتی ہے۔ عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ کے امتزاج سے انسان ان حقائق تک خود بھی پہنچ جاتا ہے' لیکن اس میں وہ یقین پیدا نہیں ہو گا جو کہ انبیاء و رُسل کے ذریعے سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت لقمان کی ایک مثال بھی دی گئی ہے ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ ﴾ "ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی"۔ وہ کوئی نبی یا رسول نہیں تھے لیکن ایمان کے بنیادی حقائق تک وہ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی روشنی میں پہنچ گئے تھے۔ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ کسی شخص کی اگر فطرت مسخ (perverted) نہیں ہے اور اس کی عقل بھی زمانہ ساز عقل نہیں ہے بلکہ حقیقت کو تسلیم کرنے والی ہے تو پھر انسان یقیناً حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔

سوال : صوفی شعراء کی نظر میں زندگی اور دین کی حقیقت کیا ہے؟

جواب : جتنے بھی صوفی شعرا سے مَیں واقف ہوں ان کے نزدیک زندگی اور دین کی

حقیقت وہی ہے جو قرآن بیان کرتا ہے۔ وہ تو صرف اسلوب کا فرق ہے کہ انہوں نے شعر کی زبان کو اختیار کیا ہے جو عوام تک کسی بات کو پہنچانے کا زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے کہ جیسا کہ مَیں نے عرض کیا تھا' انسانی وجود کے دو پہلو ہیں' حیوانی اور روحانی۔ صوفیاء کرام اور صوفی شعراء کا زیادہ زور انسان کی ہستی کے روحانی پہلو کی طرف ہے' لیکن یہ صرف shift of emphasis کی بات ہے۔ دین کی حقیقت اور زندگی کی حقیقت کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر بعینہٖ وہی ہے جو قرآن مجید بیان کرتا ہے۔

سوال : آپ نے سمع و بصر کے ساتھ "فؤاد" کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب : قرآن حکیم کے تراجم میں عام طور پر "فواد" کا ترجمہ "دل" سے کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کی رو سے دل میں بھی ایک تفقّہ یعنی بات کو سمجھنے کا مادہ موجود ہے۔ میرے نزدیک فواد کا لفظ فائدے سے بنا ہے۔ کہا جاتا ہے اس شے کا فائدہ یہ ہے یعنی اس شے کا حاصل یہ ہے' اس شے کا لُبِّ لباب یہ ہے۔ جیسے اکثر دینی کتابوں میں کوئی بات لکھیں تو "ف" لکھتے ہیں کہ یہ جو بات کہی گئی ہے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ حدیث' قول یا واقعہ سے جو نتیجہ نکلتا ہے اسے "ف" لکھ کر بیان کرتے ہیں۔

اصل میں ہمارے sense organs سے جو بھی sense data فراہم ہوتا ہے یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا' کان نے جو کچھ سنا تو یہ ساری معلومات دماغ کو منتقل ہو گئیں' تو اب یہ کمپیوٹر کام کر کے اور پراسیس کر کے نتیجہ نکال رہا ہے۔ میرے نزدیک اس پراسیس کرنے کا معاملہ فؤاد سے متعلق ہے۔

سبحنك اللّٰهم وبحمدك نشهد ان لا اله الا انت نستغفرك ونتوب اليك

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

فہم قرآن میں اضافے کے لیے فنی کتاب "قواعدِ زبان قرآن" کا مطالعہ کیجیے۔

1	قواعد زبان قرآن ۔ دوسرا ایڈیشن	خلیل الرحمٰن چشتی	250 روپے
2	درس قرآن کی تیاری کیسے کی جائے؟	خلیل الرحمٰن چشتی	15 روپے
3	حدیث کی اہمیت وضرورت	خلیل الرحمٰن چشتی	35 روپے
4	نصاب برائے حفظ		30 روپے
5	تزکیۂ نفس		25 روپے
6	توحید اور شرک	محمد خان منہاس	15 روپے
7	رسالت	محمد خان منہاس	15 روپے
8	آخرت کا تصور	محمد خان منہاس	15 روپے
9	نماز	محمد خان منہاس	15 روپے
10	انفاق فی سبیل اللہ		15 روپے
11	مؤثر ابلاغ	محمد خان منہاس	10 روپے

گیارہ (11) کتابوں کے مکمل سیٹ کی قیمت مع ڈاک خرچ -/470 روپے ہے۔
کتابیں وی۔پی نہیں کی جائیں گی۔ منی آرڈر یا ڈرافٹ کا پہلے آنا لازمی ہے۔

الفوز اکیڈمی ، اسلام آباد	317, Street 16, F-10/2, Islamabad
Fax : 051- 22 54 139	Tel. : 051- 22 51 933

ضرورت رشتہ

پڑھے لکھے شریف گھرانے کی گریجوایٹ' نیک سیرت بیٹی کے لئے شریف گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ : پی او بکس نمبر 161 "نوائے وقت" لاہور

سالانہ خریدار متوجہ ہوں

ماہنامہ "میثاق" کے سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ ان کے پتوں کی تبدیلی سے متعلق اطلاعات مہینہ کی 20 تاریخ تک پہنچ جانی چاہئیں۔ 20 تاریخ کے بعد موصول ہونے والی اطلاعات پر عمل درآمد اگلے ماہ کے شمارے سے ہی ممکن ہو سکے گا۔ شکریہ

مدیر مکتبہ

توحیدِ عملی

کا فریضۂ اقامتِ دین سے ربط و تعلّق

سورۃ الشوریٰ آیات ۳۶ تا ۵۰ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

(آٹھویں قسط)

اقامتِ دین کی جدّوجُہد کرنے والوں کے اوصاف

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ـــــ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ○ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ○ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ○ وَتَرٰىهُمْ

يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (الشوریٰ : ۳۶ تا ۵۰)

"جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا سروسامان ہے' اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں' جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آ جائے تو درگزر کر جاتے ہیں' جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں' ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں' اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں ـــــ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے' پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے' اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں ان کو ملامت نہیں کی جا سکتی۔ ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہیں۔ جس کو اللہ ہی گمراہی میں پھینک دے اُس کا کوئی سنبھالنے والا اللہ کے بعد نہیں ہے۔ تم دیکھو گے کہ

یہ ظالم جب عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے اب پلٹنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟ اور تم دیکھو گے کہ یہ جہنم کے سامنے جب لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے اور اس کو نظر بچا بچا کر کن انکھیوں سے دیکھیں گے۔ اُس وقت وہ لوگ جو ایمان لائے تھے کہیں گے کہ واقعی اصل زیاں کار وہی ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارے میں ڈال دیا۔ خبردار رہو، ظالم لوگ مستقل عذاب میں ہوں گے اور ان کے کوئی حامی و سرپرست نہ ہوں گے جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کو آئیں۔ جسے اللہ گمراہی میں پھینک دے اس کے لئے بچاؤ کی کوئی سبیل نہیں۔ مان لو اپنے رب کی بات قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کی کوئی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اس دن تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی اور نہ کوئی تمہارے حال کو بدلنے کی کوشش کرنے والا ہوگا۔ اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو اے نبیؐ، ہم نے تم کو ان پر نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے، تم پر تو صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو اُس پر پھول جاتا ہے اور اگر اس کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا کسی مصیبت کی شکل میں اُس پر الٹ پڑتا ہے تو سخت ناشکرا بن جاتا ہے۔ اللہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے"۔

سورۃ الشوریٰ کی متذکرہ بالا آیات میں سب سے پہلے تو اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف سامنے لائے جا رہے ہیں کہ ان کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہئے۔ کیا یہ ہر کہ ومہ کا کام ہے! کیا اپنی سیرت و کردار کے داغ لے کر بھی کوئی شخص اس میدان میں اتر سکتا ہے! یا یہ کہ جس کی یہ فریضہ انجام دینے کی نیت ہے کیا وہ ان اوصاف کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے تیار ہے!!

اقامتِ دین کی جدّوجہد سے گریز کی وجوہات

① جماعتوں کے تعدد کا عذر : ہم میں سے اکثر لوگ اس عذر کا سہارا لیتے ہیں کہ

ملک میں بہت سی جماعتیں دین کا کام کرنے کی مدعی ہیں' اب کس کا ساتھ دیں! تو اس کی مثال پہلے ذکر ہو چکی کہ جس طرح ایک پرانے مریض کے علاج کے لئے چار حاذق طبیبوں اور ڈاکٹروں کی پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ تشخیص اور تجویز میں اختلاف ہو سکتا ہے' اسی طرح احیائے دین اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے بھی تشخیص اور طریق کار میں فرق ہو سکتا ہے' جو فی الواقع موجود ہے۔ لیکن اس سے ہمارا فرض تو ساقط نہیں ہو جاتا۔ کھلے دل کے ساتھ ان جماعتوں کا جائزہ لیجئے' ان کی تشخیص اور طریق کار پر غور و خوض کیجئے' پھر جس جماعت پر دل مطمئن ہو جائے تو پورے خلوص کے ساتھ اس میں شامل ہو جائیے۔ آپ ان شاء اللہ ماجور ہوں گے۔ دیکھئے کسی شخص کو ایک جوتا خریدنا ہوتا ہے تو وہ کتنی دو کانوں کا چکر لگاتا ہے' کتنے جوتے دیکھتا ہے' پھر ایک کو پسند کر لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ توحیدِ عملی اختیار کرنا اور اقامتِ دین کے لئے جدّ و جہد کرنا اس پر لازم ہے' واجب ہے' فرض ہے تو وہ دین کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کا بغور مطالعہ کرے گا اور جس پر اس کا دل ٹھک جائے گا اس کے ساتھ لگ جائے گا۔ جماعتوں کی کثرت کا عذر در حقیقت دین کے کام سے فراریت ہے' شیطان کا فریب ہے' بالکل بے وزن ہے اور عام معنوں میں عذر لنگ ہے۔ دین کا کام کیجئے اور یکسو ہو کر کیجئے۔ اپنی اصلاح کو مقدم رکھئے۔ جس جماعت پر دل ٹھک جائے اس میں پوری دل جمعی کے ساتھ شامل ہو جائیے۔ اللہ کے ہاں آپ اپنے خلوص و اخلاص کے باعث ماجور ہوں گے۔

(۲) معاشی خوف : دین کی راہ پر آنے کے لئے انسان کو یہ اندیشہ سب سے زیادہ روکتا ہے کہ کیا کھائیں گے کیا پئیں گے؟ رزق کا معاملہ اس راہ کی بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ پیچھے ذکر ہو چکا کہ ﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ ﴾ کیوں فکر کرتے ہو! اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے' وہ تو بہت باریک بین ہے' وہ تمہاری ضرورتوں کو تم سے بڑھ کر جاننے والا ہے۔ وہ القوی ہے العزیز ہے۔ البتہ طے کرنے کی بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ شعوری طور پر فیصلہ کرے کہ اس کا مطلوب دنیا ہے یا آخرت! فیصلہ کن بات یہ ہے۔ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے تو الا ماشاء اللہ ہمارا یہ حال ہے کہ رجحان کچھ اِدھر ہے کچھ اُدھر۔ آخر دین کا دل میں شغف ہے' اُس کی طرف

کشش ہے اس کیلئے کام کرنے کی طرف طبیعت راغب اور مائل بھی ہے۔ لیکن جب دنیا کا معاملہ آتا ہے تو دل ڈولنے لگتا ہے' قدم ڈگمگانے لگتے ہیں' آدمی سوچتا ہے کہ اِدھر جاؤں یا اُدھر جاؤں ؎

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے!

یہ وہ کیفیت ہے جس میں ہم میں سے اکثر مبتلا ہیں۔

③ **فرصت کا انتظار** : کبھی کبھی ہم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں ذمہ داریاں ہیں' ذرا ان سے نمٹ لیں' پھر ہمہ وقت دین کے کام میں لگ جائیں گے۔ اس سے بڑی خود فریبی اور کوئی نہیں ہے۔ اگر آپ دنیا کے کاموں سے ریٹائر ہو کر دین کے کاموں میں لگیں گے تو اس وقت حال یہ ہو گا کہ توانائیاں اور صلاحیتیں ہی نہیں فہم میں بھی اضمحلال و اختلال آچکا ہو گا یا آنے والا ہو گا۔ ایک ارذل العمر بھی ہوتی ہے جس کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے : ﴿ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ﴾ اکثر بڑے بڑے عالم و فاضل بھی ایک عمر کو پہنچ کر علم و فہم سے بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دین کے لئے کام کرنے کا اصل وقت تو وہ ہے جب جسم میں توانائی و قوت اور فہم و علم میں صلاحیت موجود ہو۔

محاسبۂ اخروی

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے : ((لَنْ تَزُوْلَا قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ خَمْسٍ)) "ابن آدم کے قدم اُس کٹہرے سے ہرگز ہل نہیں سکیں گے جہاں وہ اپنے رب کے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہو گا جب تک اس سے پانچ چیزوں کا حساب نہ لے لیا جائے"۔ ((عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ)) "پوری عمر کا حساب کہ اسے کہاں فنا کیا' کہاں کھپایا؟" ہم نے تمہیں ستر اسی برس دیئے تھے' یہ کہاں گنوائے! ((وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ)) خاص طور پر شباب کا دور' جوانی کا دور' امنگوں کا دور' قوتوں' توانائیوں اور ولولوں کا دور' جب کہ جسم میں جان ہوتی ہے' جب کہ قوائے جسمانی چاق و چوبند ہوتے ہیں۔ پوچھا جائے گا کہ وہ جوانی کے دن کہاں کھپائے اور گنوائے؟ عمر کے بارے

میں دو سوالوں کے بعد مال کے متعلق دو سوال : ((وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَهٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَهٗ)) مال کمایا کہاں سے تھا' حلال سے یا حرام سے ؟۔ اور خرچ کہاں کیا تھا؟ ادائے حقوق میں' دین کی خدمت میں یا عیاشیوں اور اللوں تللوں میں! اور آخری سوال : ((وَعَمَّا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ)) اور جو علم حاصل ہوا تھا اس پر عمل کتنا کیا؟ گویا جب بھی دینی معلومات کا اضافہ ہوا اسی نسبت سے عمل بھی بڑھا یا نہیں؟ یہ ہیں پانچ سوالات جو ہر ابنِ آدم سے کئے جائیں گے۔

آخرت اور دنیا کے طلب گاروں کے علیحدہ علیحدہ نتائج!

گزشتہ نشست میں ہم سورۃ الشوریٰ کی آیت ۲۰ کا مطالعہ کر چکے ہیں :

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ ﴾

"جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہو گا ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے رہیں گے (اس کو پروان چڑھاتے رہیں گے) اور جو دنیا کی کھیتی کا خواہش مند ہے اسے ہم اسی میں سے کچھ دے دلا دیں گے' لیکن پھر اس کے لئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہے"۔

طے کرنے کی بات یہ ہے کہ آپ کا اصل مقصود و مطلوب کیا ہے؟ مقدم کیا ہے' مؤخر کیا ہے! آخرت یا دنیا؟ اسی کے مطابق آخرت میں نتائج مرتب ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی بتدریج ہمارے سامنے وہ اوصاف بھی آئیں گے جو توحید عملی اور اقامت دین کے لئے مطلوب ہیں' فرمایا :

﴿ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾

" جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی میں برتنے کا سامان ہے"۔

اس آیت کے پہلے حصّے میں دنیا کے سرو سامان کی اصل حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ یہاں شَیْءٍ نکرہ ہے۔ نکرہ تفخیم کیلئے بھی آتا ہے۔ خواہ بڑی سے بڑی چیز دے دی گئی ہو' چاہے قارون کا ساخزانہ دے دیا گیا ہو' اس دنیا میں کچھ بھی دے دیا گیا ہو۔ وہ اس فانی

دنیا کے برتنے کا سامان ہے' اسکے سوا کچھ نہیں' تم سمجھتے ہو کہ یہ میری ملکیت اور میری جائیداد ہے' تم سمجھتے ہو کہ اموال و اسباب دنیا تم کو دوام بخش دیں گے؟ ﴿ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ ﴾ حالانکہ یہ سب عارضی اور فانی ہے۔

دنیا کی زندگی کی اصل حقیقت

میں عرض کر چکا ہوں کہ مدنی سورتوں میں سورۃ الشوریٰ کے ہم وزن اور مماثل مضامین سورۃ الحدید میں آئے ہیں۔ مکّی سورتوں میں جو مقام سورۃ الشوریٰ کا ہے مدنی سورتوں میں وہی مقام سورۃ الحدید کا ہے۔ چنانچہ اس میں بھی اس حقیقت کو کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کی اصل حقیقت کیا ہے جس پر تم ریجھے ہوئے ہو۔ فرمایا :

﴿ اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ ﴾

(الحدید : ۲۰)

یہ دنیا کی زندگی دھوکہ کی ٹٹی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا ایک حصّہ تو کھیل کود اور بچپن میں گزر جاتا ہے۔ ذرا بڑے ہوئے تو کھیل کود میں تلذّذ کی آمیزش شامل اور کچھ سنسنی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ "لہو و لعب" ہے۔ ذرا اور بڑھے تو بناؤ سنگھار اور ٹیپ ٹاپ کی فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ اچھے سے اچھا لباس ہو' بالکل فیشن کے مطابق ہو' اس سے کہیں ذرا فرق ہوا تو آپ کا دل میلا ہو جائے گا۔ اسے یہاں "زینت" کہا گیا ہے۔ اس سے ذرا آگے بڑھے تو دوسروں کے مقابلے میں فخر پیدا ہو جاتا ہے اپنی دولت پر' اپنی نسل پر' اپنی وجاہت و شوکت پر۔ اسے یہاں "تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ" فرمایا گیا۔ اس سے ذرا آگے بڑھے۔ جب ادھیڑ عمری کو پہنچے' بڑھاپے کی حد شروع ہوئی تو انسان بڑا واقعیت و حقیقت پسند (realistic) ہو جاتا ہے۔ اب تو خوب دولت چاہیئے' صاحب حیثیت اولاد کی بہتات چاہیئے۔ اسے یہاں فرمایا گیا : ﴿ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ ﴾ جوانی کا دور وہ ہوتا ہے کہ مونچھ نیچی نہ ہو چاہے سب کچھ چلا جائے۔ اُس وقت انسان کو اپنی عزت کا اتنا پاس

ہوتا ہے' جبکہ بڑھاپے میں آپ کو نظر آجائے گا کہ اسی شخص کا یہ حال ہوتا ہے کہ مونچھ نیچی ہی نہیں مونڈنے کی نوبت آجائے تو آجائے دولت ہاتھ سے نہ جائے۔ انسان کے یہ مختلف عواطف و میلانات ہوتے ہیں زندگی کے مختلف ادوار میں۔ آخر کار ہوتا کیا ہے کہ انسان کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ اس کی روح عالم بالا کی طرف کوچ کر جاتی ہے اور یوم آخرت یعنی فیصلہ کے دن کا انتظار کرتی ہے۔ اس کی یہاں مثال دی جیسے بارش کے بعد اس سے اگنے والے نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو جاتے ہیں' کھیتی پک کر زرد ہو جاتی ہے' پھر بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ ہیں تمہاری دنیا کی زندگی کے مراحل و مدارج!

رہی آخرت کی زندگی تو اس میں دو قسم کے انجام ہیں : ﴿ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴾ یا تو دردناک عذاب ہے' بہت شدید سزا ہے' یا : ﴿ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ﴾ یا اللہ کی مغفرت اور رضا ہے۔

تذبذب خسارے کا سودا ہے

اس آخرت کو سامنے رکھو گے تو یہ دنیا کی زندگی ایک دھوکہ اور فریب کی ٹٹی کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہی بات یہاں فرمائی جا رہی ہے : ﴿ فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ﴾ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے' بڑی سے بڑی چیز جو تمہیں دی گئی ہے یہ اس دنیا کی برتنے کی چیز ہے' ملکیت نہیں ہے' یہ کسی اور کے لئے یہیں رہ جائے گی۔ ویسے اصل حقیقت تو یہ ہے کہ ﴿ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ آخر کار پوری نوع انسانی رختِ سفر باندھے گی اور وراثت صرف اللہ ہی کیلئے رہ جائے گی۔ جب تک سوچ کا یہ انداز نہیں ہو گا اقامتِ دین کی جدوجہد کی وادی میں قدم رکھنا سمجھی کی بات ہو جائے گی۔ اس صورت میں انسان قدم قدم پر ٹھٹکے گا جس طرح گاڑی چلتے چلتے رک جاتی ہے' knocking کرتی ہے' اسی طرح کا معاملہ ایسے انسان کے ساتھ ہو گا جو یک سُو نہیں ہے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھائے گا تو دو قدم پیچھے ہٹے گا۔ ذرا آگے بڑھنے کو دل چاہے گا تو دنیا پیچھے کھینچے گی۔ وہ حال ہو گا جس کا نقشہ سورۂ نساء میں کھینچا ہے : ﴿ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ ﴾ یہ منافقین کفر و ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہو کر رہ

جاتے ہیں۔ تذبذب میں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ ہدایت کے راستہ پر چلیں یا نہ چلیں۔ اسی کا نقشہ سورۂ حج میں اس طرح کھینچا گیا ہے : ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ﴾ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بندگی اور پرستش کرنا تو چاہتے ہیں لیکن کنارے کنارے رہ کر، منجدھار میں کودنا نہیں چاہتے۔ وہاں خطرہ ہے، اندیشہ ہے۔ اللہ کی راہ میں کنارے کنارے چلنا چاہتے ہیں۔ لیکن ﴿ وَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ﴾ اگر خیر و خیریت ہو، مال غنیمت مل رہا ہو، دولت بھی آ رہی ہو تو مطمئن ہیں۔ ﴿ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ﴾ اور اگر آزمائش آ گئی، کوئی کٹھن وقت آ گیا، قربانی کا مرحلہ آ گیا، مال دینا پڑے یا جان کے لئے خطرہ آ جائے تو وہ اوندھے منہ گر پڑتے ہیں۔ یہ ہے دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا، نقصان، خسارہ ﴿ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾ اور درحقیقت یہی ہے اصل خسران۔

عزمِ مصمم درکار ہے

مذکورہ بالا کردار آپ کو اپنے معاشرے میں انتہائی کثرت سے ملے گا جو یکسو نہیں ہوا ہے۔ ایسے لوگ خال خال ہوں گے جو طے کر لیں کہ میں تو دراصل طالبِ آخرت ہوں۔ دنیا ملتی ہے ملے، نہیں ملتی تو نہ ملے، جتنی ملے میرے رب کی عطا ہے، لیکن دنیا کسی درجے میں بھی میرے لئے مطلوب و مقصود کا درجہ نہیں رکھتی۔ دنیا کے سارے عزائم، توقعات (ambitions) ختم کر کے جو شخص اس وادی میں آئے گا وہ ٹھیک ٹھاک چلے گا۔ للذا جو بھی توحید عملی کو انفرادی و اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کی جدوجہد کرنے کا ارادہ کرے اس کا پہلا قدم اور اس کا پہلا وصف یہ ہونا چاہئے کہ اس کا ایک شعوری اور سوچا سمجھا فیصلہ ہو، عزمِ مصمم (determination) ہو کہ میرے نزدیک دنیا کی زندگی، اس کا مال و متاع، اس کا ساز و سامان، آخرت کے مقابلے میں قطعی ہیچ ہے۔ میری نظر میں اس کی پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں ہے۔ اقبال مرحوم کا بڑا پیارا شعر ہے ؎

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند   بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الاّ اللہ

ترجیحات کا مسئلہ

یہ دو چیزیں ہی تو آدمی کو روکتی ہیں۔ سورۂ توبہ میں فرمایا :

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(التوبۃ : ۲۴)

"(اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ' اپنے بیٹے' اپنے بھائی' اپنی بیویاں' اپنے رشتہ دار' اپنے وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں' اور اپنے وہ کاروبار جو بڑی محنت سے تم نے جمائے ہیں جن کے کساد کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور اپنے وہ مکان جو تم نے بڑے ارمانوں اور چاؤ کے ساتھ بنائے ہیں' اگر یہ چیزیں تمہیں محبوب تر ہیں' اللہ سے' اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو جاؤ انتظار کرو گومگو کی کیفیت میں مبتلا رہو۔ عام فہم زبان میں کہا جائے گا کہ دفع ہو جاؤ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

جب تک آدمی یہ طے نہ کرلے کہ اس کی ترجیحات کیا ہیں' کام نہیں بنتا۔ اس آیت مبارکہ کی رو سے ہر شخص اپنے دل میں ایک ترازو نصب کرے' پھر اس کے ایک پلڑے میں آٹھ محبتیں ڈالے اور ایک پلڑے میں تین۔ آٹھ محبتوں میں سے پانچ کا تعلق ہے رشتہ و پیوند سے۔ باپ' بیٹے' بھائی' بیویاں اور عزیز و اقارب یہ ہیں رشتہ و پیوند اور وہ مال جو کمائے اور جمع کئے اور وہ کاروبار جو محنت سے جمائے اور چمکائے اور وہ بلڈنگیں جو بڑے شوق سے تعمیر کرائیں' یہ تین محبتیں ہیں مال و دولتِ دنیا۔

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند بتانِ وہم و گماں لا الٰہ اِلاّ اللہ

جب تک آدمی ان بتوں کو نہیں توڑ دے گا اُس وقت تک وہ یہ شعوری فیصلہ نہیں کر سکے گا کہ یہ سب کچھ اس فانی دنیا کا عارضی کھیل اور کھلونے ہیں اور میں دنیا کا طالب نہیں ہوں۔ ع بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں! میں دنیا میں اجنبی اور مسافر کی حیثیت سے رہ رہا ہوں۔ مجھے اس دنیا کی ambition نہیں ہے۔ جو شعوری طور پر یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ میں تو آخرت و عاقبت کو اپنی منزل سمجھ کر اللہ کے دین کی سربلندی کے

لئے اپنی جد وجہد کا آغاز کر رہا ہوں تو ایسا شخص پھر اللہ کی راہ میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آدمی رشتہ و پیوند اور مال و دولت دنیا کی آٹھ محبتوں کے مقابلے میں تین محبتیں' اللہ کی محبت' اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت ڈالے۔ اگر یہ پلڑا جھک جائے تو فھو المراد' لیکن اگر آٹھ محبتیں بھاری پڑ جائیں تو اللہ کی طرف سے جھڑکی ہے :
"فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ" اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ فاسق قرار دیتا ہے :
"وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝"

بہتر اور باقی رہنے والی دولت

﴿ فَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ﴾

"جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض چند روزہ زندگی کا برتنے کا سازو سامان ہے' اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی"۔

دنیا کا یہ سازو سامان یا تو آپ کی زندگی میں ہی چلا جائے گا یا یہاں رہ جائے گا اور آپ یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ بہرحال ایک نہ ایک دن تو اس سے جدائی ہو گی۔ جیسے سورۂ قیامہ میں فرمایا : ﴿ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ ﴾ نزع کے وقت انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ اب تو جدائی ہے اور جب پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جاتی ہے تو اس وقت انسان یقیناً سوچتا ہو گا کہ چاہے ساری دولت چلی جائے لیکن میں یہاں رہ جاؤں۔ لیکن بہرحال اس دنیا سے جدائی انسان کا مقدر ہے۔ یہاں کی دولت اسے یہیں چھوڑنی ہے۔ رہنے والی دولت وہ ہے جو اللہ کے پاس ہے : ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ﴾ "ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ پر توکل و اعتماد کیا' اللہ کے پاس بہت عمدہ اور باقی رہنے والا اجر ہے"۔

توکّل ایمان کا ثمرہ ہے

یہاں دو باتیں فرمائیں : ایمان اور اپنے رب پر توکّل۔ جان لیجئے کہ ایمان کا سب سے بڑا ثمرہ توکل ہے' یہ یقین کہ میرے لئے کچھ نہیں ہو گا جب تک اللہ کی توفیق شامل نہ ہو۔ اقامتِ دین کی جدّوجہد کی راہ میں قدم بڑھانے والوں میں یہ دوسرا وصف ہونا

ضروری ہے۔ اگر اپنی ذہانت' اپنی فطانت' اپنی صلاحیت' اپنی منصوبہ بندی' اپنے زور بازو پر تکیہ ہے تو سمجھ لیجئے کہ قدم رکھنے سے پہلے ہی ناکام ہو گئے۔ اپنی قوت کی نفی کرنا یہ ہو گا کہ میرے کئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں تو اللہ کی توفیق' اللہ کی تائید' اللہ کی نصرت کے بھروسہ پر اس راہ میں قدم رکھ رہا ہوں۔ توکل اُس کی ذات پر ہے' اپنی ذات پر نہیں' اپنے علم پر نہیں' اپنے فہم پر نہیں' اپنی محنت پر نہیں' اپنی مشقت پر نہیں' اپنی کوشش پر نہیں۔ کسی شے پر کوئی بھروسہ نہ ہو' صرف اللہ پر یقین ہو۔ توکل کا حق اُس وقت تک ادا نہیں ہوتا جب تک کسی کام کے لئے دنیا میں جن مادی اسباب کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب آپ کے پاس ہوں اور پھر بھی آپ کو یہ یقین نہ ہو کہ ان سے کچھ ہو گا' بلکہ یقین یہ ہو کہ ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا۔ دیا سلائی آپ کے پاس ہے اور سوکھا کاغذ بھی ہے' آپ جانتے ہیں کہ دنیا کا جو قانون طبعی ہے اور جو مادی اسباب ہیں وہ رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ آپ ماچس سے کاغذ جلا سکتے ہیں لیکن پھر بھی آپ کو یقین رہے کہ میں نہیں جلا سکتا اگر اللہ نہ چاہے۔ اور اگر اللہ چاہے تو دیا سلائی کے بغیر بھی کاغذ جل جائے گا۔ یہ یقین اگر نہیں ہے تو ایمان نہیں ہے۔ پھر تو ایمان ہے مادی اسباب و وسائل پر جن پر آپ کا اعتماد' تکیہ اور توکل ہے۔ اگر مادی اسباب و وسائل پر آپ کو بھروسہ اور توکل ہے تو درحقیقت آپ مومن بالمادہ ہیں۔ آپ کا ایمان ہے مادہ پر اور مادی' عادی اور طبعی قوانین پر۔ جب کہ توحید یہ ہے کہ : ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ "اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' کوئی کارساز نہیں' لہٰذا اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں"۔ عربی زبان میں حرف جار "علیٰ" عموماً لزوم کے لئے آتا ہے۔ سورۂ طلاق میں فرمایا : ﴿ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ ﴾ یعنی جو اللہ ہی پر بھروسہ کرے تو اس کے لئے اللہ کافی ہے۔ وہ اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر انسان کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ اگر قلبی اطمینان کی یہ کیفیت نہ ہو تو پھر ایمان کہاں رہا اور توحید کہاں رہی!

آیت کے مفاہیم کا حاصل

اس پہلی آیت میں جو باتیں ہمارے سامنے لائی گئیں ان میں ایک تو یہ ہے کہ بندۂ

مومن کی نگاہوں میں دنیا کی کوئی وقعت نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ایمان بالآخرۃ اتنا مستحضر ہو کہ اصل منزل آخرت ہی ہو جائے اور دنیا کا سارا ساز و سامان صرف برتنے کی ایک چیز نظر آئے کہ یہ محض استعمال کی چیز ہے' اس سے زائد اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تیسری یہ کہ اللہ ہی پر توکل قائم ہو چکا ہو' اللہ ہی کی رضا اور خوشنودی ہمارا مطلوب و مقصود اور نصب العین بن جائے۔ واضح رہے کہ جہاں تک "نصب العین" کے لفظ کا تعلق ہے اوّل تو یہ قرآن و حدیث کا لفظ نہیں۔ دوسرے یہ کہ دین کا کام کرنے کے لئے ہمیں ہر اُس اصطلاح سے بچنا چاہئے جو کتاب و سنّت سے ماخوذ نہ ہو۔ ہمیں امکانی حد تک اصطلاحات قرآن و حدیث کی اختیار کرنی چاہئیں۔ مثلاً "تصوف" کی اصطلاح کو لے لیجئے' اس کے لئے قرآن و حدیث میں "احسان" کی اصطلاح موجود ہے تو اس سے بچئے اور وہ لفظ استعمال کیجئے جو قرآن و حدیث کا ہے۔ تصوف کا لفظ مجہول النسب ہے۔ آج تک یہ طے ہی نہیں ہو سکا کہ یہ لفظ کس زبان کا ہے اور کس لفظ سے بنا ہے۔ "تصوف" سے جو مفہوم مراد لیا جاتا ہے اس سے کہیں بہتر طور پر یہ مفہوم لفظ "احسان" ادا کرتا ہے تو اسی کو کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ اسی طرح "نصب العین" کتاب و سنّت کی اصطلاح تو ہے نہیں لہٰذا اس کو ترک کر دینا مناسب ہو گا۔ تاہم اگر یہ اصطلاح استعمال بھی کی جائے تو یہ کہنا کہ ایک بندۂ مومن کا نصب العین آخرت میں اللہ کی رضا اور دنیا میں اقامت دین ہے' یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ نصب العین کے درجہ میں سوائے اللہ کی رضا اور اخروی فلاح کے دنیا کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے۔ تب نقطۂ نظر درست ہو گا۔ اقامت دین کے لئے جدوجہد فرض ہے۔ کسی کام کا فرض ہونا اور ہے' جیسے نماز بھی فرض ہے' روزہ بھی فرض ہے' صاحب نصاب پر زکوٰۃ اور صاحب استطاعت پر حج فرض ہے۔ احساسِ فرض آپ کو آمادہ کرے کہ آپ ان فرائض کو بجالائیں اور اقامت دین کی جدوجہد میں تن من دھن لگائیں' لیکن ان میں سے کسی چیز کو نصب العین کے درجے میں نہ لئے آیئے۔ ایک چیز کو نمایاں کر کے آگے لے آنا ترجیح بلا مرجح ہے۔ لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے جو فرائض عائد کر دیئے ہیں ہمیں ان کو ادا کرنے کے لئے جو بھی ہمارے پاس استعداد و صلاحیت ہے اسے بروئے کار لانا ہے۔ یہ نہ ہو کہ دنیا میں کوئی شے آپ کی نگاہوں میں نصب العین کی حیثیت سے کھب جائے اور وہ آپ کو کھینچ رہی ہو۔ یہ سامنے کی کشش بسا

اوقات بڑی غلطیوں کا ارتکاب کرادیتی ہے۔ اسی طرح عجلت بھی سر پر سوار ہو جاتی ہے کہ سیدھے راستہ سے نہیں پہنچ پاتے تو شارٹ کٹ اختیار کیا جاتا ہے اور انسان "by hook or by crook" اپنے نصب العین پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لفظ نصب العین ہی استعمال کرنا ہو تو ہمارا نصب العین آخرت میں اللہ کی رضا کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اس کی طرف سے عائد شدہ فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا اور مطالبات دین پورے کرنے کے لئے محنت وسعی کرنا بالکل دوسری بات ہے۔

نہایت اہم ہدایات و تعلیمات!

﴿ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ ﴾

"اور وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں سے پہلو تہی کرتے ہیں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں' اور جب انہیں غُصّہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں"۔

پہلی آیت میں تین باتیں آئی تھیں' تین اوصاف آئے تھے : دنیا کی بے مائیگی اور بے ثباتی کا یقین ہونا آخرت کی چیزوں کا خیر اور ابقٰی ہونے پر یقین ہونا' اور اللہ پر ایمان اور توکل ہونا۔ یہاں بھی تین باتیں آئی ہیں' تین ہی اوصاف آئے ہیں : کبیرہ گناہوں سے اجتناب' فواحش سے پرہیز اور غُصّہ کی حالت میں عفو و مغفرت۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس ترتیب کا اصل حسن کیا ہے! ان میں باہمی ربط و تعلق کیا ہے!

کبائر سے اجتناب

قرآن مجید میں تین مقامات پر یہ مضمون آیا ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے صغیرہ گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ یہاں لفظ اجتناب کو بھی سمجھ لیجئے۔ یہ لفظ "جنب" سے باب افتعال کا مصدر ہے۔ جنب پہلو کو کہتے ہیں۔ اجتناب کے معنی ہوں گے پہلو تہی کرنا دامن بچانا' بچ نکلنا' چھوڑ دینا۔ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کا ذکر قرآن مجید میں تین مقامات پر کیوں اور کس لئے ہے؟ غور کیجئے' ایک مزاج تو وہ ہوتا ہے کہ اصلاح ذات کے لئے آدمی بہت حساس ہو گیا ہو کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی باقی نہ

رہے۔ ہلکے سے ہلکا داغ بھی سیرت و کردار پر نہ رہے۔ تو ایسے شخص کی ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں لگ جائے گی۔ پھر وہ تلاش کر کر کے اور خوردبین لگا لگا کے دامن کے داغ دیکھنے اور انہیں دھونے میں ساری زندگی بتا دے گا۔ پھر بھی کوئی نہ کوئی داغ رہ جائے گا۔ کوئی شخص یہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ میں آج "کامل" ہو گیا ہوں۔ جس دن اس نے یہ کہا وہ دن اس کی بربادی کا ہے۔ کیسے کامل ہو سکتا ہے؟ کوئی نہ کوئی بشری اور طبعی کمزوری اور کوئی نہ کوئی خطا تو لگی رہے گی اور وہ زندگی بھر اسی تلاش و جستجو میں اور اس کو رگڑنے میں لگا رہے گا۔ لہٰذا ایسا شخص کبھی بھی اقامت دین کی جدوجہد کی وادی میں قدم نہیں رکھ سکے گا۔ بلکہ اس طرف اس کا دھیان ہی نہیں جائے گا کہ یہ فرائض میں شامل ہے۔ انسان کے ذہن پر جب مبالغہ کے درجہ میں محض اپنی اصلاح اور سیرت کی صحت کی دھن سوار ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں رہبانیت وجود میں آجاتی ہے۔ خانقاہ ایک institution بن جاتی ہے۔ پھر یہی کام نسلاً بعد نسل ہوتا چلا جاتا ہے کہ دامن پر کوئی چھوٹا سا داغ بھی نہ رہ جائے۔ لاہور میں ایک بزرگ ہیں' میں ان کا ان کے خلوص و نیک نیتی کی وجہ سے احترام کرتا ہوں۔ ان کا اور ان کے مریدین کا یہ عالم ہے کہ نہ تو گوشت کھاتے ہیں کہ پتہ نہیں ذبح کرنے والے نے صحیح ذبح کیا یا نہیں؟ اس اندیشے کے باعث گوشت نہیں کھاتے۔ پھل نہیں کھاتے' اس لئے کہ باغ عام طور پر ٹھیکہ پر دیئے جاتے ہیں اور ٹھیکہ پر باغ دینا حرام ہے۔ نہ سبزیاں کھاتے ہیں چونکہ ان میں بھی ٹھیکہ شامل ہوتا ہے۔ لے دے کے چند دالوں اور روٹی پر گزارہ ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کس دلیل سے انہوں نے دالوں اور گیہوں کو حلال کیا ہوا ہے! مجھے تو یہ ڈر ہے کہ اگر میں ان کو جا کر بتاؤں کہ حضرت! یہ جو گندم اور دالیں ہیں' ان کے ایک ایک دانے میں سود پیوست ہے' کھاد کی جتنی بھی فیکٹریاں ہیں کیا وہ سودی سرمایہ سے قائم نہیں ہیں؟ کیا کھاد کے بغیر گندم اور دالوں کا کوئی دانہ وجود میں آتا ہے؟ جس میں سود رچا بسا ہے۔

آپ خود سوچئے کہ انسان اس طرح کا تقویٰ اپنے اوپر مسلط کر لے تو زندگی اجیرن ہو جائے گی' وہ کام کیا کرے گا۔ یہ ہوتا ہے وہ انتہا پسندانہ اور متشددانہ انداز کہ انسان اپنے دامن کے داغ دھبے ہی دھوتا رہ جاتا ہے' دین کے لئے کوئی مثبت کام نہیں کر سکتا۔ باطل کو چھوٹ ملی رہتی ہے کہ اس کو کوئی للکارتا ہی نہیں۔ اس کے لئے میدان کھلا رہتا

ہے۔ اسی لئے تین جگہ قرآن میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ موٹی موٹی چیزیں جو ہم نے بتائی ہیں انہیں چھوڑ دو تو چھوٹی چھوٹی خطائیں ہم معاف کر دیں گے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اسے کھلا لائسنس سمجھ لیں اور صغائر کرتے چلے جائیں' معاذ اللہ۔ یہ جو انداز فکر ہے کہ مجاہدہ مع النفس ہی ہوتا چلا جائے' اسی میں ساری عمر بیت جائے اور طاغوت کو میدان میں للکارنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے' دین پامال ہو رہا ہو' اس کا استہزاء و تمسخر ہو رہا ہو' شعائر دینی کا مذاق اڑایا جا رہا ہو لیکن حمیت دینی اور غیرت ایمانی جوش میں نہ آئے' غم و غصہ کی حرارت پیدا نہ ہو' باطل اور طاغوتی نظام کو بدلنے کا کوئی داعیہ نہ ابھرے' پر معصیت ماحول میں انفرادی زہد و تقویٰ ہی کو کافی سمجھا جائے' تو در حقیقت منطقی نتیجہ بن جاتا ہے اس متشددانہ اور انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کا کہ آدمی اپنی ذاتی اصلاح اور تقویٰ میں اتنا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا کہ اللہ کا دین کس غربت اور کسمپرسی میں ہے[1]

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳۱ میں فرمایا گیا ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ (اے اہل ایمان) اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے باز رہو گے' ان سے اپنا پہلو بچائے رکھو گے' ان سے اپنا دامن پاک رکھو

---

(۱) اس موقع پر یہ حدیث بھی پیش نظر رہے جو مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف "خطبات الاحکام" میں امام بیہقی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ((اوحی اللّٰہ عزوجل الی جبرئیل علیہ السلام ان اقلب مدینۃ کذا وکذا باھلھا - قال فقال: یا رب ان فیھا عبدک فلانا لم یعصک طرفۃ عین' قال فقال: اقلبھا علیہ وعلیھم فان وجھہ لم یتمعر فی ساعۃ قط))

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں فلاں بستیوں کو ان کے رہنے والوں سمیت الٹ دو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پر جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ پروردگار! ان میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے چشم زدن کی مدت بھی تیری معصیت میں بسر نہیں کی۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الٹ ڈالو انہیں پہلے اس پر' پھر دوسروں پر اس لئے کہ اس کے چہرے کی رنگت کبھی میری (غیرت و حمیت کی) وجہ سے متغیر نہیں ہوئی"۔ (مرتب)

گے جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو تمہاری جو اور خطائیں' فروگذاشتیں' برائیاں اور غلطیاں ہوں گی' ہم انہیں صاف کر دیں گے۔ ہم انہیں تمہارے نامۂ اعمال میں سے ساقط کر دیں گے اور ہم تمہیں داخل کریں گے بڑی عزت اور اکرام والی جگہ میں ـــــ یہاں بھی کبائر سے مجتنب رہنے کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح سورۂ نجم میں بھی فرمایا گیا : ﴿ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ ﴾ "جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی' کھلے کھلے قبیح افعال سے مجتنب رہتے ہیں سوائے چھوٹے چھوٹے قصوروں کے"۔

غیر ارادی طور پر کوئی خطا اور لغزش ہو گئی' کہیں پیر پھسل گیا' کبھی دل میں وسوسہ آ گیا' کسی وقت کوئی غلطی صادر ہو گئی تو جان لو کہ : ﴿ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ ؕ ھُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ ۚ فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ○ ﴾ (آیت ۳۲) "بلاشبہ (اے نبی) آپ کا رب واسع المغفرت ہے (وہ بہت معاف فرمانے والا ہے' اس کی مغفرت نہایت وسیع ہے۔ اور اے لوگو!) وہ تمہیں اُس وقت سے خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین میں سے اٹھایا اور وہ تمہیں خوب جانتا ہے جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں جنین کی شکل میں تھے۔ لہٰذا اپنے نفس کے تزکیہ اور پاکی کا دعویٰ نہ کرو۔ (اللہ پر اپنے تقویٰ کو نہ بھگارو' اپنی پاکدامنی کا رعب نہ گانٹھو۔) وہ خوب جانتا ہے کہ کس کے دل میں واقعی و حقیقی تقویٰ ہے" ـــــ یہ بڑا تیکھا انداز ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو باریک سے باریک چھلنیوں سے چھاننے پر آ جاتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس فضا میں سانس لینا بھی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ آپ سود inhale کریں۔ سود اس فضا میں اس طرح پیوست ہے کہ وہ سانس کے ذریعے جسم میں لازماً پہنچتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی سود کھائے یا نہ کھائے اس کے غبار سے نہیں بچ سکے گا۔ جیسے کبھی dust suspension ہو جائے' فضا غبار آلود ہو جائے تو خواہی نخواہی سانس کے ذریعے خاک اندر جائے گی یا نہیں؟ اسی طرح سے ہمارے موجودہ اقتصادی و معاشیاتی نظام میں سود پیوست اور رچا بسا ہوا ہے۔

اصل ضرورت کیا ہے؟

پُر معصیت اور طاغوتی ماحول میں اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ کبائر سے بچو'

ان سے بالکلیہ اجتناب کرو۔ ساتھ ہی صغائر سے بھی بچنے کی فکر ہو اور اس نظام کو بدلنے کی کوشش کرو۔ باطل سے پنجہ آزمائی کے لئے میدان عمل میں نکلو، منظم و متحد ہو کر اسے للکارو۔ خود بھی موحّد بنو اور نظام کو موحّد بنانے کے لئے تن من دھن لگا دو اور اگر ضرورت متقاضی ہو تو اللہ کی راہ میں اپنی گردن کٹا کر سرخرو ہو جاؤ۔ دین کا اصل مطالبہ اور اصل ضرورت یہ ہے۔ اس کا برعکس پہلو یہ ہے کہ توحید عملی کے ذروۂ سنام یعنی اقامتِ دین کی جِدّوجُہد سے تو کنّی کتراؤ اور اپنے دامن کے داغ دھبے ہی دھوتے رہو، ایک دفعہ کافی نہ سمجھو تو پھر دھوؤ، پھر دھوؤ۔ اس طرح تو اس نظام کو بدلنے کی طرف کبھی توجہ نہیں ہو گی۔ تم داغ دھبوں کو دھونے سے فارغ ہی نہیں ہو سکو گے کہ اس میدان میں آؤ اور باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارو ـــــ یہ ہے اس جگہ پر اس انداز بیان کا اصل مطلب : ﴿ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ ﴾

فواحش سے بچنے کی خصوصی تاکید

یہاں غور کیجئے کہ فواحش کا کبائر سے علیحدہ خصوصی طور پر ذکر کیوں کیا گیا ہے اور فواحش یعنی بے حیائی کی تمام باتوں سے بچنے کی تاکید علیحدہ سے کیوں کی گئی ہے! اس لئے کہ انسانی سیرت و کردار بلکہ پورے تمدن کے بگاڑ کے لئے سب سے بڑا اندیشہ sex یعنی انسان کا جنسی جذبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید مرد و زن کی شرم گاہ کو "فرج" کہتا ہے۔ فرج کے معنی ہیں اندیشہ کی جگہ، خطرہ کا مقام۔ پچھلے زمانے میں شہر کے گرداگرد بڑی مضبوط فصیل بنائی جاتی تھی۔ دشمنوں کے حملوں سے شہر کے لئے یہ فصیل پناہ گاہ کا کام دیتی تھی۔ اگر کہیں فصیل میں دراڑ پڑ گئی تو یہ اندیشہ کی جگہ ہے، دشمن اس کے ذریعے شہر میں گھس سکتا ہے۔ اس دراڑ کو عربی میں فرج کہتے ہیں ـــــ اسی طرح سے انسان کی سیرت و کردار کے لئے سب سے زیادہ اندیشے والی چیز درحقیقت فرج ہے۔ اسی لئے عصمت و عفت کی حفاظت کی قرآن مجید میں بہت زیادہ تاکید ہے۔[1]

---

(۱) اسی لئے ایک حدیث میں حیاء کو ایمان کا ایک شعبہ اور ایک دوسری حدیث میں حیاء کو نصف ایمان کہا گیا ہے : ((اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ)) اور ((اَلْحَيَاءُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ))۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے دو جبڑوں کے درمیان والی ←

چنانچہ سورۂ مومنون کی آیت ۵ تا ۷ اور سورۂ معارج کی آیات ۲۹ تا ۳۱ میں ایک شوشے کے فرق کے بغیر بالکل یکساں الفاظ آئے ہیں۔ فرمایا :

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ ﴾

"وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین ہوں' ان پر ہرگز ملامت نہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ اور کچھ چاہے تو وہی لوگ زیادتی کرنے والے حد سے گزرنے والے ہیں۔"

لہٰذا جہاں کبائر سے بچنا لازم اور ضروری ہے وہاں فواحش سے بچنا بھی لازم اور ضروری ہے ـــــ چونکہ شیطان کا یہ بڑا کاری وار ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اس نے یہی حربہ پہلے انسانی جوڑے حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا پر جنت میں آزمایا تھا :

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ط ﴾

"اے بنی آدم! ہوشیار رہنا' کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح فتنہ میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے"۔

ابھی اللہ تعالیٰ نے اس جوڑے کو رشتۂ ازدواج میں منسلک نہیں کیا تھا' لیکن شیطان نے قسمیں کھا کر ان دونوں کو یقین دلایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور ان دونوں کو پھسلا کر اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر لیا جس سے منع کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان سے جنت کا لباس اتر گیا اور ان کے ستر ایک دوسرے کے کھل گئے آج پوری دنیا اسی

چیز یعنی زبان اور دو ٹانگوں کے درمیان والی چیز یعنی شرم گاہ کی ضمانت دے دو یعنی اس کو اللہ کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کرو گے تو میں تم کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (مرتب)

فحاشی، بے حیائی اور عریانی کی زد میں ہے۔ مادہ پرستی نے شرک کے ساتھ ساتھ عریانی و بے حیائی دجالی فتنوں میں بڑے مؤثر فتنے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ اعراف میں حرام چیزوں میں فواحش کو مقدم کیا گیا۔ فرمایا : ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ.... ﴾ "(اے نبی) کہہ دیجئے میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ بے شرمی و بے حیائی کے کام ہیں، خواہ کھلے ہوں یا چھپے....."

فرائض کا ترک کر دینا بھی کبائر میں شامل ہے

کبیرہ گناہوں میں شرک تو وہ گناہ ہے جس کی کسی طور پر معافی نہیں ہے : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ ﴾ باقی کبیرہ گناہوں میں سے چند یہ ہیں۔ فرائض کو ترک کر دینا کبائر میں شمار ہو جائے گا۔ نماز چھوڑی تو یہ کبیرہ گناہ ہے۔ بغیر شرعی عذر کے روزہ نہیں رکھا، یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اگر آپ صاحب نصاب ہیں اور زکوۃ نہیں دے رہے اور صاحب استطاعت ہوتے ہوئے بھی حج کرنے کی کوشش نہیں کر رہے، یہ دونوں کبیرہ گناہ ہیں ـــــ اقامتِ دین کی جدّوجُہد فرض ہے۔ بالخصوص جن پر اس کی جدوجہد کا فرض ہونا واضح ہو جائے ان کا اس کو ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ قتلِ ناحق، سود کا لین دین، زنا اور جن کاموں کو کتاب و سنت نے واضح نصوص کے ذریعے حرام قرار دیا ہے ان میں سے کوئی کام کرنا تمام فقہی مکاتیب فکر میں ان کو کبائر میں شمار کیا گیا ہے ـــــ ان سب سے ایک مسلمان کو بالکلیہ اجتناب کرنا لازم ہے۔ ان سے وہ اپنا دامن بچائے اور باقی کی اصلاح کی بھی کوشش کرتا رہے۔ اس بات کا منتظر نہ رہے کہ میں جب اپنی کامل اصلاح کر لوں گا تب میں دعوت و تبلیغ اور اقامت دین کی جدوجہد کے لئے میدان میں آؤں گا۔ ایسی صورت میں کبھی بھی اس کی نوبت نہیں آئے گی اور مہلتِ عمر یونہی تمام ہو جائے گی۔ قرآن مجید کی دعوت تو یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اپنا دامن پاک کرکے میدان میں آؤ، باطل کو للکارو، اقامت دین کی جدوجہد میں شامل ہو جاؤ۔ البتہ فحاشی کی ہر شکل اور ہر نوع سے بچو، یہ سب سے زیادہ اندیشہ کی بات ہے۔

حالتِ غُصّہ میں انسب و احسن رویّہ

﴿ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ۝ ﴾ تیسری ہدایت اور تعلیم اس بات کی دی جا رہی

ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں میں یہ وصف ہونا چاہئے کہ وہ کوئی کام غصہ کی حالت میں نہ کریں۔ یہ بات نہیں ہے کہ انسان میں غصہ نہ ہو' غصہ ہونا بھی ضروری ہے۔ غیرت و حمیت کا ہونا بھی ضروری ہے' انتقام کا جذبہ بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ ایک تصور ہے خانقاہی تصور' بدھ مت کے بھکشوؤں کا تصور' گوتم بدھ کا دیا ہوا "اہنسا" کا تصور۔ اسلام میں مستقل بالذات یہ تصورات نہیں ہیں۔ اسلام میں تو اللہ کے لئے اور اللہ کے دین کا بول بالا کرنے کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا چوٹی کی نیکی ہے : ﴿ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ ﴾ اور جیسے سورۂ صف میں فرمایا : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾ قرآن بالکل مختلف قسم کے انسان بنانا چاہتا ہے۔ یہ بدھ مت کے بھکشو نہیں ہیں' یہ خانقاہی مزاج کی شخصیتیں نہیں ہیں' بلکہ ان کا مزاج کچھ اور ہے' جو اقامت دین کی جدوجہد کے لئے درکار ہے۔ وہ کیا ہے؟ غصہ آئے' لیکن حالتِ غصہ میں کوئی اقدام نہ ہو! ہوا تو معاملہ غلط ہو جائے گا۔ غصہ آئے تو معاف کرو۔ ہاں سوچ سمجھ کر' cool mindedness کے تحت اگر کوئی سخت قدم بھی اٹھانا پڑے تو اٹھانا ہو گا۔ یاد کیجئے محمد رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کے معاملے میں کتنا بڑا اقدام اٹھایا۔ حالانکہ آپؐ سے بڑھ کر رحیم' شفیق' رؤف اور ودود انسانوں میں کون ہو گا! جو رحمۃٌ للعالمین بن کر آئے' جن کے متعلق قرآن گواہی دیتا ہے : ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ ﴾ "اے نبی یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپؐ ان کے حق میں بہت ہی نرم خو ہیں" ـــــ لیکن وہی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے دین کے لئے یہ بھی کیا ہے کہ یہودیوں کے ایک قبیلہ کے جتنے بھی جوان مرد تھے ان کو اپنے سامنے ذبح کرایا ـــــ بنو قریظہ کا یہ معاملہ ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ اس قبیلہ کی اللہ نے مت ماردی تھی کہ ہتھیار ڈالنے کے بعد اپنا معاملہ نبی اکرم ﷺ جیسے رؤف' ودود اور رحیم و شفیق ذات کے سپرد کرنے کے بجائے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنانے پر اصرار کیا۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ کے مدینہ میں ورودِ مسعود سے قبل اس قبیلے کے ان سے حلیفانہ تعلقات تھے لہٰذا امید تھی کہ وہ ان کا لحاظ رکھیں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عین یہودیوں کی اپنی شریعت کے مطابق یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کے تمام جوان مرد قتل کر دیئے جائیں اور بقیہ لوگوں کو غلام بنالیا جائے ـــــ فیصلہ تو ان کا تھا لیکن اس کا نفاذ تو

آنحضور ﷺ کے حکم پر ہوا ـــــ رحمۃٌ للعالمین ﷺ نے یہ فیصلہ نافذ فرمایا' لیکن اپنے لئے نہیں' دین اللہ کے غلبہ کے لئے۔

اقامت دین کی جدوجہد میں وہ موقع بھی آیا کہ بدر کے اسیروں کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رائے پیش کی تھی کہ ہر مؤمن ان میں سے اپنے قریب ترین عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے کے مطابق ان اسیروں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا' لیکن بعد میں سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تصویب فرمائی ـــــ بہرحال انقلابی عمل میں ایسے مواقع آتے ہیں کہ سختی بھی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ایک ہے جذبات میں آکر سختی کر جانا' یہ درست نہیں ہے۔ غصہ آیا ہو اور اس حالت میں آپ کوئی اقدام کر بیٹھیں تو اکثر غلط قدم اٹھا بیٹھیں گے ـــــ لہٰذا غصہ میں تو معاف کر دینا ہی افضل و احسن ہے۔ جیسے مومنین صادقین کے اوصاف میں فرمایا : ﴿ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ﴾ "یہ لوگ وہ ہیں جو غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہوتے ہیں۔" ـــــ اس آیت میں اقامت دین کی جدوجہد اور توحید عملی کے عاملین کا تیسرا وصف بیان فرمایا کہ : ﴿ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴾ : "اور جب انہیں غصہ آجائے تو معاف کر دیتے ہیں' درگزر سے کام لیتے ہیں"

(جاری ہے)

خلافت علیٰ منہاج النّبوۃ کا دور
پھر آیا چاہتا ہے!

اسے لانے میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی فکر کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مسترد کر کے خلافت کا علم کسی اور قوم کے ہاتھ میں تھما دے۔

مسلمان کا طرزِ حیات (۱۱)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العقائد

تیرھواں باب

توحیدِ عبادت

مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین کا معبودِ برحق ہے' اور وہ تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ مالک۔ اس لیے وہ تمام مشروع عبادتیں اللہ ہی کے لیے مخصوص کر دیتا ہے' اور ان میں سے کوئی عبادت والا عمل اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں کرتا' اسے کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگتا ہے اور نذر مانے تو اللہ ہی کے لئے مانتا ہے۔ اس کے تمام قلبی اور باطنی اعمال بھی اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں' مثلاً خوف' اُمید' توجہ' محبّت' احساسِ عظمت اور توکّل وغیرہ' اور ظاہری اعمال بھی اسی کے لیے ہوتے ہیں' مثلاً نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج اور جہاد۔ اس عقیدہ و کردار کے نقلی اور عقلی دلائل درج ذیل ہیں :

نقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے :

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ ... ﴾ (طٰہٰ : ۱۴)

"میرے سوا کوئی معبود نہیں' لہٰذا میری عبادت کر....."

اور فرمایا :

﴿ وَاِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ○ ﴾ (البقرة : ۴۰)

"اور صرف مجھ سے ڈرو۔"

اور فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ ﴾ (البقرة : ۲۱'۲۲)

"اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے تاکہ تم بچ جاؤ۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنادیا اور آسمان کو چھت بنادیا اور آسمان سے پانی اُتارا' اور اس کے ذریعے سے زمین سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے۔ للٰذا جان بوجھ کر اللہ کے شریک نہ بناؤ۔"

اور ارشاد فرمایا :

﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ... ﴾ (محمد : ۱۹)

"پس جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

اور فرمایا :

﴿ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ ﴾ (حٰمٓ السّجدة : ۳٦)

"اور اللہ کی پناہ میں آجایئے' وہ یقیناً سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اور فرمایا :

﴿ وعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○ ﴾ (التغابن : ۱۳)

"مؤمنوں کو اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیئے۔"

(۲) اللہ تعالیٰ نے متعدّد مقامات پر اس کی خبر دی ہے' مثلاً ارشاد فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾ (النحل : ۳٦)

"ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور سرکش (شیطان) سے بچو۔"

نیز فرمایا:

﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾ (البقرة: ۲۵۶)

"پھر جو کوئی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان رکھے تو اس نے مضبوط ترین کڑے کو پکڑ لیا (یعنی اُسے قوی ترین سہارا مل گیا)۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (الانبیاء: ۲۵)

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا اُس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے (لوگو!) میری عبادت کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴾ (الزُّمر: ۶۴)

"فرما دیجئے: اے نادانو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہو؟"

اور فرمایا:

﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ (الفاتحة: ۴)

"(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴾ (النحل: ۲)

"وہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے وحی دے کر فرشتوں کو اپنے حکم سے نازل کر دیتا ہے (اس ہدایت کے ساتھ کہ لوگوں کو) آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، اس لیے مجھ ہی سے ڈرو۔"

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں توحید عبادت کو واضح فرمایا، مثلاً جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں فرمایا:

((فَلْيَكُنْ اَوَّلَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَنْ يُّوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى))[1]

"تم انہیں سب سے پہلے جس چیز کی دعوت دو گے وہ یہ ہونی چاہیئے کہ وہ ایک اللہ کو معبود مانیں"۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((يَا مُعَاذُ اَتَدْرِىْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ)) قَالَ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ: ((اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا)) (۲)

"اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندوں کے ذمے اللہ کا کیا حق ہے؟" انہوں نے عرض کیا: اللہ کو اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ فرمایا: "یہ حق ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔"

آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ارشاد فرمایا:

((اِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ)) (۳)

"جب تُو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، اور جب تُو مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ کہہ دیا: ((مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ)) "جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں" تو آنحضرت ﷺ نے اسے فوراً ٹوکا اور فرمایا:

((قُلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ)) (۴)

"یوں کہہ: جو اکیلا اللہ چاہے۔"

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

((اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ)) قَالُوْا: وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((اَلرِّيَاءُ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِذَا جَازَى النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ: اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُوْنَ فِى الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ مِنْ جَزَاءٍ)) (۵)

"مجھے تم پر سب سے زیادہ خطرہ چھوٹے شرک کا ہے"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! چھوٹا شرک کیا ہوتا ہے؟" ارشاد ہوا: "ریاء کاری، قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ عطا فرمائے گا تو (ریا کاروں سے) فرمائے گا: ان کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لیے تم دنیا میں عمل

کرتے تھے' دیکھو کیا تمہیں ان سے کچھ جزاء مل سکتی ہے؟"

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے قرآنِ مجید کی یہ آیت پڑھی:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبۃ: ۳۱)

"ان (یہود و نصاریٰ) نے اللہ کے علاوہ اپنے علماء اور صالحین کو بھی رب بنالیا۔"

تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے خدمتِ نبویؐ میں عرض کی: "اے اللہ کے رسول! ہم تو ان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے"۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلَيْسُوْا يُحِلُّوْنَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَتُحِلُّوْنَهٗ وَيُحَرِّمُوْنَ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فَتُحَرِّمُوْنَهٗ))

"کیا ایسا نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ نے حرام کیا وہ (پادری وغیرہ) تمہارے لیے ان چیزوں کو حلال کر دیتے تھے تو تم بھی انہیں حلال مان لیتے تھے' اور جو کچھ اللہ نے حلال کیا وہ تمہارے لیے حرام کر دیتے تھے تو تم انہیں حرام مان لیتے تھے؟"(۶)

عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جی ہاں حضور! (ایسا تو ہوتا تھا) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ)) (۷)

"یہی تو ان کی عبادت ہے۔"

ایک منافق مسلمانوں کو تنگ کرتا تھا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: آیئے ہم اس منافق کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّهٗ لَا يُسْتَغَاثُ بِيْ وَاِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ)) (۸)

"مجھ سے فریاد نہیں کی جاتی' فریاد تو اللہ سے کی جاتی ہے۔"

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ)) (۹)

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔"

اس کے علاوہ ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ)) (۱۰)

"جھاڑ پھونک' تعویذ گنڈے اور محبّ کے عمل شرک ہیں"۔

عقلی دلائل

(۱) چونکہ تخلیق، روزی دینا، تصرف اور تدبیر صرف اللہ ہی کا کام ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ عبادت بھی صرف اسی کی ہو، اور عبادت کے کسی عمل میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے۔

(۲) ہر مخلوق کو اللہ ہی پالتا ہے اور سب اللہ ہی کے محتاج ہیں، لہٰذا مخلوق میں سے کوئی فرد اس لائق نہیں کہ اللہ کے ساتھ ساتھ اس کو بھی معبود بنا کر پوجا جائے۔

(۳) اللہ کے سوا جس کو بھی پکارا جاتا ہے یا اُس سے فریاد کی جاتی ہے یا اُس سے پناہ طلب کی جاتی ہے، اسے نہ حاجت پوری کرنے کا اختیار ہے نہ فریاد رسی یا پناہ دینے کی طاقت۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسے پکارنا، اس سے فریاد کرنا، اس کے لیے نذر ماننا یا اُس پر توکّل کرنا سب عبث اور باطل ہیں۔

کتاب العقائد

چودھواں باب

وسیلہ

مسلمانوں کا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کو پسند کرتا ہے اور اپنے نیک بندوں سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے مالک کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ لہٰذا ہم نیک اعمال اور اچھّے اقوال کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور انہیں اللہ کے تقرب کا وسیلہ اور ذریعہ بناتے ہیں۔ ہم اُس کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ مقدّسہ کے وسیلہ سے اُس سے اپنی حاجت مانگ سکتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر جو ایمان ہم رکھتے ہیں، یا ہمارے دلوں میں اللہ اور رسول کی جو محبّت موجود ہے، یا اللہ کے نیک بندوں اور عام مؤمنین سے جو محبّت ہمارے دلوں میں ہے، اس کے وسیلہ سے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔ اسی طرح فرائض و نوافل کی ادائیگی کے ذریعے ہم اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً فرض نماز اور نفل نماز، فرض اور نفلی روزے، فرض اور نفلی حج، فرض زکوٰۃ اور

نفلی خیرات وغیرہ۔ اسی طرح حرام اور ممنوع اعمال کے ارتکاب سے پرہیز کے ذریعے ہم اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔ البتہ کسی مخلوق کی جاہ و عظمت یا کسی دوسرے انسان کے عمل کے واسطے سے سوال نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کسی کی جاہ و عظمت سائل کا کیا ہوا عمل نہیں، جس طرح کسی دوسرے کا عمل دعا کرنے والے کا عمل نہیں کہلا سکتا، جس کے وسیلہ سے اللہ سے سوال کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے خود اپنے کیے ہوئے اعمال اور ایمان اور عمل صالح کے ذریعے خود اپنی روح کی صفائی کے علاوہ کسی چیز کو وسیلہ بنانا مشروع نہیں فرمایا۔ اس کے نقلی اور عقلی دلائل درج ذیل ہیں:

نقلی دلائل

① اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں متعدّد مقامات پر اس بات کی خبر دی ہے، مثلاً ارشاد ہے:

﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ﴾ (فاطر: ۱۰)

"پاکیزہ کلمات اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور نیک عمل انہیں بلند کرتا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ﴾

(المؤمنون: ۵۱)

"اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (الانبیاء: ۷۵)

"اور ہم نے لوطؑ کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا، وہ یقیناً نیکو کاروں میں سے تھا۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ..... ﴾

(المائدۃ: ۳۵)

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو۔"

اور ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ.. ﴾

(بنی اسرائیل : ۵۷)

"جن کو یہ (مشرک) پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کا قرب تلاش کرتے ہیں کہ کون زیادہ قریب ہو جائے . . . ."

اور ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط ﴾ (آل عمران : ۳۱)

"فرما دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو' اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔"

اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ کہتے ہیں:

﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ○ ﴾

(آل عمران:۵۳)

"اے ہمارے رب! ہم تیری نازل کردہ (شریعت اور کتاب) پر ایمان لائے اور رسول کے تبع بن گئے' لہٰذا ہمیں بھی گواہوں میں لکھ لے۔"

دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا صلے رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ○ ﴾

(آل عمران : ۱۹۳)

"اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو ایمان کے لیے منادی کرتے سنا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے گناہ بخش دے' ہماری برائیاں ہم سے دور فرمادے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ فوت کر۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۸۰)

"اور بہترین نام اللہ ہی کے لیے ہیں لہٰذا اُسے اُن ناموں سے پکارو' اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس کے ناموں کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ مل جائے گا۔"

اور فرمایا :

﴿ ... وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝ ﴾ (العلق : ۱۹)

"...اور سجدہ کر اور قرب حاصل کر۔"

(۲) جنابِ رسول اللہ ﷺ نے احادیثِ مبارکہ میں اسی حقیقت کی نشان دہی فرمائی ہے۔ مثلاً ارشاد فرمایا :

((اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ فَلَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا)) (۱۱)

"اللہ تعالیٰ پاک ہے' وہ پاک ہی قبول کرتا ہے"۔

اور فرمایا :

((تَعَرَّفْ اِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ)) (۱۲)

"راحت (کے ایام) میں اللہ سے تعارف قائم رکھو' مشکل کے وقت وہ تمہیں پہچانے گا (یعنی تمہاری مدد فرمائے گا)"۔

جنابِ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

((وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ' وَلَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهُ)) (۱۳)

"میرا بندہ جن اعمال کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے مجھے وہ عمل سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ اور میرا بندہ نفلی اعمال کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔"

ایک اور حدیثِ قدسی میں جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان فرمایا ہے :

((وَاِنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا' وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا' تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا' وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهُ هَرْوَلَةً)) (۱۴)

"اگر بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اُس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں' اور اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اُس کی طرف بھاگ کر آتا ہوں۔"

حدیث میں غار والوں کا قصہ بیان ہوا ہے کہ غار کے مُنہ پر ایک بڑی چٹان کے گرنے سے وہ محبوس ہو کر رہ گئے تھے تو ایک شخص نے والدین سے حسنِ سلوک کے وسیلہ سے دعا کی' دوسرے نے اپنی پاک دامنی اور بد کاری سے پرہیز کا ذکر کر کے دعا کی اور تیسرے نے اپنے اس عمل کا واسطہ دیا کہ اُس نے حق دار کو اُس کا حق واپس کر دیا تھا اور اس کے ساتھ اُس نے اس مال کی حفاظت بھی کی اور اس میں اضافہ بھی کر دیا اور مطالبہ کے وقت وہ سب کچھ حق دار کی امانت سمجھ کر واپس کر دیا تھا۔ یہ دعائیں کرنے سے پہلے انہوں نے ایک دوسرے سے یہ بات کہی تھی: "اپنا اپنا نیک عمل دیکھو جو تم نے (اخلاص کے ساتھ) اللہ کے لیے انجام دیا ہو' پھر اس کے واسطہ سے اللہ سے دعا کرو' شاید اللہ تعالیٰ تمہیں مصیبت سے نجات دے دے"۔ انہوں نے ان نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کی تو چٹان غار کے منہ پر سے ہٹ گئی اور وہ صحیح سلامت غار سے نکل آئے۔ (۱۵)

جنابِ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ)) (۱۶)

"بندہ اپنے رب سے سب سے قریب اُس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔"

جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا ارشاد فرمائی ہے:

((اَسْاَلُكَ اللّٰهُمَّ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ' سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ' اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ' اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ' اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ' اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ' وَنُوْرَ صَدْرِیْ' وَجِلَاءَ

حُزْنِیْ وَ ذَهَابَ هَمِّیْ وَ غَمِّیْ)) (۱۷)

"اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر اُس نام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جو نام تو نے خود اپنا رکھا ہے' یا اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے' یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے' یا اسے اپنے پاس غیب کے علم میں محفوظ رکھا ہے۔ (میں دعا کرتا ہوں) کہ تو قرآنِ عظیم کو میرے دل کی بہار' میرے سینے کا نور' میرے غم کا مداوا اور میرے تفکرات کے خاتمے کا باعث بنا دے۔"

ایک بار ایک صحابیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے دعا کرتے سنا تو فرمایا:

((لَقَدْ سَاَلَ هٰذَا بِاسْمِ اللّٰهِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ مَا سُئِلَ بِهٖ اِلَّا اَعْطٰی' وَمَا دُعِیَ بِهٖ اِلَّا اَجَابَ))

"اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین نام کے واسطہ سے سوال کیا ہے جس کے واسطہ سے جب بھی اُس سے مانگا جائے وہ دے دیتا ہے اور جب بھی اس کے واسطہ سے دعا کی جائے وہ قبول فرما لیتا ہے۔"

(۳) قرآنِ مجید میں مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی دعائیں مذکور ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے اَسماء و صفات' ایمان اور عمل صالح کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور وسیلہ سے انہوں نے کبھی دعا نہیں کی۔ مثلاً یوسف علیہ السلام نے یوں دعا فرمائی:

﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ ﴾ (یوسف: ۱۰۱)

"اے میرے رب! تو نے مجھے بادشاہت عطا فرمائی' مجھے باتوں (اور خوابوں) کا مطلب سمجھنا سکھایا' اے آسمانوں اور زمین کے خالق! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا دوست اور کارساز ہے' مجھے اسلام پر موت دینا اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دینا۔"

اس آیت میں آپ علیہ السلام نے اللہ کی صفات کے ساتھ دعا کی ہے۔ اور حضرت یونس علیہ السلام نے یوں دعا کی:

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ﴾

(الانبیاء : ۸۷)

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں 'تو پاک ہے 'یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی :

﴿ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ .... ﴾ (القصص : ۱۶)

"یارب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے 'پس مجھے بخش دے۔"

تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو معاف فرمادیا۔ انہوں نے فرعون اور اس کے درباریوں کو مخاطب کر کے فرمایا :

﴿ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ... ﴾ (المؤمن : ۲۷)

"میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔"

اور جناب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے اللہ سے اس طرح دعا کی :

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۱۲۷)

"ہمارے رب! ہم سے (یہ عمل) قبول فرمالے۔ یقیناً تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔"

جنابِ آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام نے یوں دعا فرمائی :

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۖ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۲۳)

"ہمارے رب! ہم اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے ہیں 'اگر تُو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔"

عقلی دلائل

① رب غنی ہے اور بندہ فقیر و محتاج۔ اس کا تقاضا ہے کہ فقیر و محتاج بندہ غنی اور بے پروا رب کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے 'تاکہ فقیر اور ضعیف بندہ ان چیزوں سے محفوظ رہ سکے جن کا اسے خوف ہے 'اور وہ کچھ حاصل کر سکے جسے وہ چاہتا اور پسند کرتا ہے۔

(۲) چونکہ بندے کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کون کون سے افعال اور اقوال کو پسند فرماتا ہے اور کون کون سے افعال و اقوال اسے ناپسند ہیں' لہٰذا وسیلہ صرف ان ہی اچھے کلمات اور نیک اعمال کو بنایا جائے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مشروع فرمائے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جن اقوال و افعال کو بُرا قرار دیا ہے اور اُن سے منع فرمایا ہے اُن کو ترک کر دینا اور اُن سے پرہیز کرنا بھی بطورِ وسیلہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۳) کسی صاحبِ وجاہت شخصیت کی جاہ و منزلت دعا کرنے والے کا اپنا عمل نہیں' لہٰذا اللہ کے حضور اسے بطورِ وسیلہ پیش کرنا درست نہیں۔ کسی شخص کی جاہ و عظمت کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو' وہ کسی دوسرے شخص کے لیے اللہ سے تقرب کا یا توسّل کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ دعا کرنے والے نے عملی طور پر یا مال کے ذریعے ایسا کام کیا ہو جس کے نتیجے میں اُس نیک آدمی کو یہ بلند مقام حاصل ہو گیا ہو[۱۸] تب اس کے وسیلہ سے وہ شخص اللہ سے دعا کر سکتا ہے' کیونکہ اب یہ اُس کے اپنے اعمال میں شامل ہو گیا ہے۔ یہ حکم بھی تب ہے جب اس نے عمل کرتے وقت محض اللہ کی رضامندی کے حصول کی نیت کی ہو اور اخلاص سے وہ عمل کیا ہو۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب ما جاء فی دعاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم امتہ الی توحید اللّٰہ۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الدعاء الی الشہادتین و شرائع الاسلام (الفاظ کے کچھ فرق سے مروی ہے)

(۲) الفتح الربانی' کتاب التوحید' باب حق اللّٰہ علی العباد (قال: وھو فی البخاری)

(۳) جامع الترمذی' ابواب صفۃ القیامۃ

(۴) سنن النسائی' الفتح الربانی' کتاب التوحید' باب عظمۃ اللّٰہ تعالیٰ۔ امام نسائی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۵) یہ حدیث مسند احمد میں کئی سندوں سے آئی ہے۔ اور یہ حدیث حسن ہے۔

(۶) مثلاً سابقہ شریعتوں میں خنزیر حرام تھا' عیسائیوں نے پادریوں کے کہنے سے اسے حلال مان لیا۔ اور شادی کرنا ایک حلال بلکہ ضروری حکم تھا لیکن انہوں نے اپنے صوفیاء کے لئے اسے

حرام قرار دے دیا۔

(۷) جامع الترمذی' ابواب التفسیر' باب قوله تعالٰی **انما یعمر مساجد اللّٰه من اٰمن باللّٰه**۔ الفاظ کے کچھ فرق سے مروی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۸) طبرانی' یہ حدیث حسن ہے۔

(۹) جامع الترمذی' ابواب النذور' باب ما جاء فی کراهیة الحلف لغیر اللّٰه۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۱۰) مسند احمد و ابوداؤد' یہ حدیث حسن ہے۔

(۱۱) صحیح مسلم' کتاب الزکاة' باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف۔ جامع الترمذی' کتاب التفسیر' حدیث ابی حازم۔ مسند احمد ج ۳' ص ۳۲۸

(۱۲) جامع الترمذی' امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۱۳) صحیح البخاری' صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء باب فضل الذکر والدعاء والتقرب الی اللّٰه

(۱۴) صحیح البخاری' کتاب التوحید' باب ذکر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم روایة عن ربه

(۱۵) صحیح البخاری' کتاب الانبیاء' باب حدیث الغار۔ صحیح مسلم' کتاب الرقاق' باب قصة اصحاب الغار الثلاثة

(۱۶) صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب مایقال فی الرکوع والسجود

(۱۷) مسند احمد۔ اس کی سند حسن ہے۔

(۱۸) مثلاً کسی مالدار شخص نے محض اللہ کی رضا کے لئے کسی بچے کو قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرنے میں مدد دی' مثلاً اس کی خوراک یا کتابوں وغیرہ کا خرچ اٹھایا' جس کے نتیجہ میں یہ بچہ آخر کار عالم بن کر لوگوں کو راہِ حق کی دعوت دینے لگا اور علم کے مطابق عمل کر کے اللہ کے ہاں بلند مقام حاصل کر لیا۔ تو اب یہ مالدار شخص کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ اس عالم کے بلند مقام کے واسطے سے میری فلاں حاجت پوری فرما دے۔ ظاہر ہے کہ اس مثال میں اصل وسیلہ اس کے بلند مقام کو نہیں دیا گیا بلکہ اپنے ہی عمل کو وسیلہ بنایا گیا ہے جو اس نے اس کی تعلیم و تربیت میں انجام دیا۔ (حاشیہ از مترجم)

پیش گفتار

از قلم : ڈاکٹر ابو معاذ

(گزشتہ سے پیوستہ)

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں بہت اشعار کہتے ہوئے یہ شعر کہا ہے ؎

اگر چشم داری بہ دیگر سرای بہ نزدِ نبی و وصی گر جای

(اگر اگلے جہان میں تمہیں بخشش کی امید ہے تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے وصی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قرب حاصل کر۔)

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ فردوسی نے ماقبل اسلام کے ایران کی تاریخ تحریر کی ہے اور شاہانِ عجم کی بہت تعریف کی ہے، کسی حد تک عربوں کے خلاف تعصب کا ثبوت بھی دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران پر حملہ کرنے کے لئے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو روانہ کرنے کے بارے میں بھی یوں کہا ہے ؎

چناں بد کجا سرفرازِ عرب کہ از تیغ او روز گشتی چو شب
عمرؓ آں کہ بد مؤمناں را امیر ستودہ ورا خالق بے نظیر
گزیں سعد وقاصؓ را با سپاہ فرستادہ تا رزم جوید ز شاہ
چو بخت عرب ہر عجم چیرہ شد ہمہ بخت ساسانیاں تیرہ شد
ہماں زشت شد خوب وشد خوب زشت شدہ راہ دوزخ پدید از بہشت

(ایسے کب عرب سر اونچا کر کے میدان میں کبھی نکلے ہوں گے کہ ان کی تلواروں نے دن کو رات میں بدل دیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کہ مؤمنوں کے امیر تھے، ان کی تعریف تو خالق بے نظیر نے بھی کی تھی۔ انہی کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ہمراہ روانہ کیا گیا تھا جس نے شاہ کا مقابلہ کرنا تھا۔ عرب خوش قسمت تھے جن کی خوش بختی عجم کی بد بختی بن گئی۔ عجم تو بہشت کے راستوں سے ہوتا ہوا دوزخ میں پہنچ گیا۔)

اسی طرح صاف ظاہر ہے کہ اہل تشیع بھی اس دور میں اعتدال کی راہ پر گامزن تھے اور

ہمیں اس دَور میں شیعہ سنی تنازعہ نظر نہیں آتا۔

عجمی اثرات کے غلبہ سے اسلام کی ابتدائی چند صدیوں میں تصوف کا آغاز ہوا۔ ابتداء میں یہ روحانی تربیت کا ایک کورس تھا جو ایک استاد کامل کی رہنمائی میں مکمل ہوتا تھا۔ اسے طریقت کا نام دیا گیا' مگر مشکل اُس وقت آن پڑی جب طریقت کو دین یعنی شریعت کے مقابلے میں لا کھڑا کیا گیا اور شریعت و طریقت کی بحث چھیڑ دی گئی۔ ایک اور مصیبت یہ بھی نازل ہوئی کہ تصوف (طریقت) کے انتہائی دقیق عالمانہ نکتے عامۃ الناس اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے زیر بحث آ گئے۔ عظیم اصحابِ تصوف نے اشاعت اسلام کے لئے بہت کاوشیں کیں۔ اس کی اہم مثال حضرت علی ہجویریؒ کی ہے جن کی کتاب کشف المحجوب طریقت اور شریعت کا حسین امتزاج ہے اور اس میں کہیں بھی لغزش نظر نہیں آتی۔ آپ ابراہیم غزنوی کے عہد میں لاہور میں آئے اور بقول اقبال ؎

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ شد　　از شعاعِ مہر اُو تابندہ شد
عہد فاروق از جمالش تازہ شد　　حق ز نامِ اُو بلند آوازہ شد

(آپ کے سانسوں کی گرمی سے خاکِ پنجاب میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور وہ آپ کے آفتاب کی شعاعوں سے چمک اٹھی۔ آپ کے جمال نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور کی یاد تازہ کر دی اور ہر طرف حق کا غلغلہ پھیل گیا۔)

برصغیر میں آنے والے بیشتر صوفیاء کرام کا تعلق بھی عجم سے تھا۔ اس طرح یہاں اسلام میں فکر عجم کی آمیزش بھی موجود تھی۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے بنگال میں' حضرت معین الدین چشتیؒ سیستانی (ایرانی) نے اجمیر شریف میں اور حضرت شاہ علی ہمدانیؒ نے کشمیر میں اسلام کی اشاعت فرمائی۔ عجم میں اس طرح فقہ حنفی کی ترویج ہوئی اور غزالی اور رازی کے افکار اور رومی و جامی کے اشعار اسلام کے ساتھ لازم و ملزوم ٹھہرائے جانے لگے۔ صوفیاء نے اسلام کے ساتھ برصغیر میں فارسی کو بھی متعارف کروایا۔ آج سے ہزار برس قبل اُس دَور کے عظیم ترین فارسی شاعر مسعود سلمان لاہور میں پیدا ہو کر وہیں مدفون ہو گئے۔ اسی طرح فارسی کے عظیم ترین آخری فلسفی شاعر علامہ اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہو کر لاہور میں دفن ہو گئے۔ اس طرح یہ علاقے تصوف' فکر' فلسفہ و منطق' شاعری اور فارسی ادب کے گہوارے بن گئے۔ یعنی فکر عجم یہاں پر بھی چھا گئی۔ بات یہاں تک جا

پہنچی کہ ہندو اور سکھ عقائد بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ تاہم جب ہندوؤں نے ان افکار کا مطالعہ کیا اور پھر ان سے اپنے افکار کو ہم آہنگ کر لیا تو پھر فکر عجم کی ہندوانہ صورت (version) کو ہم پر مسلط کرنا چاہا۔ تحریری طور پر یہ اجزاء بھگت کبیر کی شاعری اور دارا شکوہ کی کتب میں موجود ہیں اور عملی طور پر اس کا نمونہ اکبر کا دین الٰہی تھا۔ مانی (تیسری صدی عیسوی کے ایرانی مدعی نبوت) کے ترکِ دنیا کے تصورات بعض صوفیانہ عقائد کی بنیاد بن گئے۔ وحدت الوجود کی توضیح انتہائی نامناسب انداز میں کی گئی۔ یہ وہ مقام تھا جس کا بیان علامہ اقبال نے بال جبریل میں ساقی نامہ میں یوں کیا ہے ؎

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد — محبت میں یکتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا — یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے!

اسی طرح آگے لکھتے ہیں ؎

تمدن، تصوف شریعت، کلام — بتانِ عجم کے پجاری تمام

یہ یاد رہے کہ فکر عجم کی یہ انحطاط پذیر صورت ہماری مراد نہیں۔

اب ہم تاریخ میں واپس چلتے ہیں۔ عہد بنو عباس میں ایرانیوں (اہل عجم) کے تعلقات حکمرانوں کے ساتھ مد و جزر کا شکار رہے ہیں۔ کبھی بلخ کا خاندان برامکہ بنو عباس کی آنکھوں کا تارا تھا، پھر اسے بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ اسی طرح بنو عباس کی خلافت کی ابتداء میں ابو مسلم خراسانی کے لشکر اور تحریک کا ایک بہت بڑا حصہ تھا مگر پھر اسے مجبور کر دیا گیا کہ وہ بنو عباس کے مقابلے میں اتر آئے۔ اس کشمکش میں عرب و عجم کے تعصبات پھر عود کر آئے اور ابو مسلم خراسانی کے پیرو کار فکر عجم کے استحکام کا باعث بنے۔ پھر مامون الرشید کا دور آیا تو اپنی ایرانی ماں کی تربیت کے باعث اس نے فکر عجم کو فروغ بخشا، مگر غلط فلسفیانہ موشگافیوں اور قرآن کے مخلوق یا کلامِ خدا کی بحث نے عباسی سلطنت کو خاصی زک پہنچائی۔ مامون الرشید نے حالات سے مجبور ہو کر آٹھویں اثنا عشری امام حضرت علی رضا رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی عہد نامزد کیا مگر بعد میں (کچھ روایات کے مطابق) شہید کروا دیا۔ اس تمام دور میں اہل عجم کی اکثریت سنی حنفی عقائد کی حامل رہی مگر اثنا عشری ائمہ اور اہل بیت سے محبت ہمیشہ قائم و دائم رہی۔ یہ وہ لوگ تھے جو سنی ہوتے ہوئے بھی تشیع

کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ یہ رنگ کہیں ہلکا کہیں گہرا تھا مگر اعتدال کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

مسلمانانِ عجم کو سب سے زیادہ نقصان منگولوں کے حملے سے پہنچا۔ فرید الدین عطارؒ جیسے مفکر شہید ہو گئے، کتابیں دریا برد ہو گئیں، لوگ تہہ تیغ ہو گئے، اور زندہ بچ جانے والے قنوطیت کا شکار ہو کر مانوی طرز کی صوفیانہ روش پر چل نکلے۔ اس دَور میں فقط جلال الدین رومیؒ نظر آتے ہیں جو سعی پیہم اور عمل کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی دَور میں محی الدین ابن عربی موجود ہیں جو وحدت الوجود کے نظریات کا پرچار کرتے ہوئے "فصوص الحکم" میں زوال پذیر نظریات کی انتہا کر دیتے ہیں کہ اسلام کی روح تک متاثر ہو جاتی ہے۔ بہت سے مفکرین، شعراء اور مؤرخین بھاگ کر برصغیر میں شمس الدین التمش کے ہاں یا ناصر الدین قباچہ کے ہاں پناہ لیتے ہیں، جو دوسرے وطن میں جا کر اس قابل نہیں رہتے کہ فکری ارتقاء میں اہم رول ادا کر سکیں۔ کافی لوگ مارے جاتے ہیں۔ خانقاہوں میں موسیقی، قوالی اور سماع کا دَور دَورہ ہے۔ لوگ دھڑا دھڑ خانقاہوں کا رُخ کرتے ہیں۔ ایک نیا نظام وجود میں آتا ہے، مگر ذہن ہیں کہ رکے رکے سے ہیں۔

اسلامی تاریخ میں عثمانی ترکوں کا دَور اہم سنگ میل ثابت ہوتا ہے۔ جنگی فتوحات انہیں یورپ کے مرکز تک لے جاتی ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب اور شمالی افریقہ کے ساحلی علاقے ان کے زیر نگین ہیں۔ فقہ حنفی ان کا سرکاری عقیدہ ہے۔ ایران میں آذربائیجان کا ایک ترک خاندان خود کو سید قرار دے کر لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دیتا ہے۔ آہستہ آہستہ اسی خاندان کا ایک تیرہ برس کا بچہ شاہ اسماعیل صفوی کے نام سے زمامِ اقتدار سنبھال لیتا ہے۔ ترک سلطان کی موجودگی میں اسے حکومت اور اقتدار کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ خلافت کا لقب اختیار کئے ہوئے، حتیٰ کہ برصغیر کے جملہ حکمران بادشاہ کے بجائے سلطانانِ ہند کہلواتے ہیں۔ صفوی حکمران اپنی بادشاہت اُس وقت تک قائم کرنے سے قاصر تھے جب تک ان کے پاس کوئی مذہبی بنیاد نہ بن جاتی۔ انہوں نے شیعہ عقائد کو بنیاد بنا کر ان عقائد کو سرکاری طور پر سخت گیر انداز میں رائج کیا اور کسی قسم کی رو رعایت سے کام نہیں لیا۔ اس زمانے میں ایران میں شیعہ علماء موجود نہیں تھے، اس لئے انہوں نے عرب ممالک سے شیعہ علماء کو بلا کر انہیں بڑی بڑی جاگیریں اور

مراعات دیں۔ ان لوگوں نے صحابہ پر سب و شتم اور طعن و تشنیع کے دروازے کھول دیئے اور اعمال اور عقائد کو اس درجہ پر لے گئے کہ تشیع ایک الگ تھلگ مذہب کی صورت میں نظر آنے لگا۔ ایران کی اکثریت جو سنی حنفی عقائد پر عمل پیرا تھی اسے مجبور کر دیا گیا کہ یا تو وہ شیعہ عقائد اپنالیں یا مرکز ایران سے دور چلے جائیں۔ اس طرح سنی حنفی لوگ ایران کے مرکز یعنی تہران، اصفہان، تبریز، شیراز اور گیلان سے غائب ہو گئے اور دور دراز کے علاقوں مثلاً بلوچستان، خوزستان، کردستان، ساحلی علاقوں، ترکمان علاقوں اور سیستان وغیرہ میں باقی رہ گئے۔ پڑھے لکھے ایرانی شعراء و مفکرین نے ہندوستان کا رخ کیا جنہیں مغل دربار میں زبردست پذیرائی ملی۔ اس طرح فکر عجم کے مراکز دہلی، لاہور، دکن اور لکھنؤ وغیرہ میں منتقل ہو گئے۔

اسماعیل صفوی نے ایران میں شیعہ عقائد کو فروغ دیا تو پھر وسطی ایشیا کی جانب توجہ دی۔ عبداللہ خان ازبک سمرقند و بخارا میں امام العصر کے لقب سے سنی حنفی عقائد کا محافظ بن گیا۔ انہی ایام میں فرغانہ کا حکمران شہزادہ ظہیرالدین بابر اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہا تھا؛ اسے صفویوں کی حمایت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ صفویوں نے اسے معاہدے کی رو سے اس امر کا پابند بنایا کہ جو علاقے وہ فرغانہ کی حدود سے باہر نکل کر فتح کرے گا وہاں پر ائمہ اثنا عشری کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا اور انہی کے نام کے سکے جاری ہوں گے۔ بابر نے سمرقند فتح کیا جہاں اس کے آباء و اجداد کی حکومت قائم رہی تھی مگر وہاں اس نے جب ائمہ اثنا عشری کے نام کا خطبہ پڑھا تو وسطی ایشیا کے لوگ اس کے اعلانیہ تشیع سے بددل ہو گئے۔ وہ عبداللہ خان ازبک سے ہزیمت کھا کر کابل آن پہنچا۔ کابل و ہرات میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو وہ ہندوستان میں آن وارد ہوا۔ دہلی پہنچ کر اس نے ایرانی تسلط کا جوا سر سے اتار کر ہندوستان کے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اب دنیائے اسلام میں تین حکمران تھے۔ ترک خلیفہ محافظ اسلام تھا اور سنی حنفی عقائد کا نگہبان تھا۔ صفوی سادات متشددانہ تشیع کے سرپرست تھے اور ہندوستان کا مغل بادشاہ کنفیوژن کا شکار تھا۔ مغلوں کے عقائد معتدل تھے۔ وہ نسبتاً سیکولر ذہن کے مالک تھے اور سیاسی مصلحتوں کے تحت اپنی مذہبی پالیسی کی تبدیلی کے لئے تیار تھے۔

ایران میں شاہی سرپرستی میں علماء کی درجہ بندی کی گئی۔ انہیں جاگیریں دے کر

فیوڈل لارڈ بنا دیا گیا اور پھر شاہی گھرانے میں علماء کی بیاہ شادیاں بھی ہوئیں۔ اس طرح ایک کلیسائی طرز کی مذہبی حکومت قائم ہوئی جس میں بادشاہ وقت امامِ زمان کا قائم مقام تھا اور وہ یہ حلف اٹھاتا تھا کہ امامِ وقت کے ظاہر ہوتے ہی وہ تاج و تخت سے دستبردار ہو جائے گا۔ بادشاہِ وقت نے اپنی عوامی مقبولیت قائم رکھنے کے لئے ظاہریت کو فروغ دیا۔ تعزیئے، مجالس، ماتم، گھوڑے اور علم کی نمائش کو مذہب کا درجہ حاصل ہو گیا جبکہ اسلام کے اراکین پر کم توجہ دی جانے لگی۔ وہ لٹے پٹے لوگ جو ایران سے برصغیر یا وسطی ایشیا پہنچے انہوں نے سنیوں پر ہونے والی سختیوں کا ذکر جب مقامی آبادیوں میں کیا تو شیعہ سنی خلیج گہری ہونے لگی اور فرقہ وارانہ منافرت پہلی بار سامنے آنے لگی۔ اسی طرح ترک حکمرانوں نے بھی ان باتوں کا سختی سے نوٹس لیا اور سلطان سلیم کے زمانے میں ایرانیوں کے حج کرنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔

برصغیر میں بابر کی وفات پر ہمایوں نے حکومت سنبھالی تو اسے شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کھا کر پھر ایران بھاگنا پڑا۔ اصفہان کے صفویوں سے فوجی امداد اسی صورت میں مل پائی جب اس نے ظاہری طور پر شیعیت اختیار کر لی اور چودہ ہزار ایرانی فوجیوں اور علماء سمیت ہندوستان میں آن وارد ہوا۔ اُن دنوں دکن کی چار مقامی ریاستوں نے پہلے ہی صفویوں سے وفاداری کا دم بھرنا شروع کیا ہوا تھا اور وہ شیعہ عقائد کی سرپرستی کر رہی تھی۔ ہمایوں نے حکومت تو سنبھال لی مگر ایرانی فوجیوں کی کثیر تعداد لکھنؤ، دہلی، لاہور اور دیگر شہروں میں رہ گئی، اور جہاں جہاں پر یہ لوگ قیام پذیر ہوئے وہاں پر شیعیت کے مراکز قائم ہو گئے۔ ہمایوں کے زمانے میں ان لوگوں کو کھلی آزادی دے دی گئی اور ان کے لئے ایران سے علماء کا آنا جانا لگا رہا۔ اسی زمانے میں کشمیر میں چک خاندان کی شیعہ حکومت قائم ہو چکی تھی جو مغلوں کی حدود سے باہر تھی۔ اس تمام کنفیوژن کا یہ نتیجہ نکلا کہ برصغیر کی مسلمان آبادی کی سنی اکثریت فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا مظاہرہ نہ کر سکی۔ ہندوؤں نے صلح کل کا پیغام دینا شروع کر دیا۔ صوفیاء کی شاعری وحدت الوجود کا پرچار کرنے لگی۔ اکبر نے اس حالت میں اپنا مذہب جاری کر دیا اور نصف صدی تک برصغیر میں فکری تناؤ کا دور دورہ ہو گیا۔ شریعت کی بجائے طریقت پر زیادہ زور دیا جانے لگا اور خانقاہوں کی رونق میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس دوران ایران سے شعراء کی آمد و رفت جاری رہی،

عرفی، شیرازی، اور نظیری نیشاپوری جیسے لوگ یہاں آن وارد ہوئے۔ سید محمد جونپوری جیسے عالم اور صالح شخصیت نے مکہ مکرمہ جاکر اپنے مہدی ہونے کا اعلان کیا اور برصغیر میں مہدویت کی تحریک کا آغاز ہوا مگر یہ لوگ جلد ہی زیر عتاب آگئے۔ ابو الفضل اور ابو الفیض فیضی جیسے وسیع النظر اسکالر گمراہی کا شکار ہو کر دین اسلام کا حلیہ بگاڑنے میں پیش پیش ہونے لگے اور اکبر کے دین الٰہی کی فکری بنیاد مہیا کرنے لگے۔ دین الٰہی میں زردشتی عقائد کا احیاء بھی فکر عجم کا مظہر تھا۔

اکبر کے عہد اختتام پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشوں کے نتیجے اور نور الدین محمد جہانگیر کے تعاون کے باعث دین الٰہی کا اختتام ہوا۔ وحدت الوجود کے بالمقابل وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا گیا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح عقائد پر مبنی اسلام کی فکری بنیاد کو استحکام بخشا۔ آپ کے مکتوبات (خصوصاً اللہ بخش سرہندی کے نام) آپ کی ذہنی استعداد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جہانگیر اور شاہجہان کے سسرالی ایرانی عزیزوں کی سرپرستی میں میں تشیع کے فروغ کے مواقع بھی موجود رہے۔ شاہجہان کے عہد میں شہزادہ دارا شکوہ قادری نے اکبر کے دین الٰہی کی طرز پر صلح کل کا انتہائی متصوفانہ انداز میں پرچار کرنا شروع کر دیا۔ علماء و مفکرین کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ شاید اسلام کی بطور دین بقا کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا مگر اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں یہ خطرہ وقتی طور پر ختم ہو گیا اور فقہ حنفی کی از سر نو تدوین فتاوائے عالمگیریہ کی صورت میں ہوئی اور دین سے حشو و زوائد کے خاتمے کی جانب خصوصی توجہ مبذول کی گئی۔ کہیں کہیں شیعہ سنی کشمکش کے واقعات بھی ملتے رہے۔ سماع، موسیقی، لچر شاعری اور سیکولرزم کی سرکاری سطح پر حوصلہ شکنی کی جانے لگی اور اس طرح ایک بار صحیح علم دین کے فروغ کی مخلصانہ کوشش ہوئی۔

اس اصلاحی ماحول میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سامنے آتے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کا عام فہم فارسی زبان میں ترجمہ کر کے عوام الناس کے لئے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا۔ پھر شیعہ سنی منافرت کے خاتمے کی بھرپور کوشش کی جس پر وہ علماء کی تنقید کا نشانہ بنے۔ آپ کے فرزند شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ پر تو تشیع کا الزام بھی لگا دیا گیا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا شمار عظیم ترین اسلامی مفکروں میں ہوتا ہے۔ ان کے پائے کے مفکر یا تو امام غزالی

ہیں یا حضرت علامہ اقبال۔ آپ کا دَور ہندوستان میں مغلوں کے زوال اور مرہٹوں کی یورش کا تھا۔ چند برس قبل ایرانی حکمران برصغیر کے مرکز دہلی کو تاخت و تاراج کر چکا تھا اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت منگولوں کے استیلاء کے بعد ایران سے ملتی جلتی تھی۔ فکر عجم کے منفی پہلو خانقاہی نظام میں عیاں تھے اور مسلمانوں کی مایوسی انہیں زوال پذیر تصوف کے دامن میں پناہ لینے پر اکسا رہی تھی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ سنی اختلافات ختم کرنے کی جانب توجہ دی اور دین کی روح کو بیدار کرنے کے لئے رجوع الی القرآن کا درس دیا۔ ورنہ ہند کے علماء تو قرآن کے مطالب کو سمجھنے تک کو نہ صرف غیر ضروری سمجھتے تھے بلکہ عوام تک قرآن کے معانی کی اشاعت کفر کے ضمن میں لا رہے تھے۔ بقول اقبالؒ ؎

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مؤمن کو غلامی کے طریق

شاہ صاحب کی عظیم مساعی سے احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی سرکوبی ہوئی اور برصغیر کے مرکز کے مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا ہوئی، سنی اور شیعہ مسلمان باہم شیر و شکر ہونے لگے۔ علم دین اور قرآن کی تعلیم کی جانب توجہ مبذول ہوئی اور پھر دین کی خدمت کا بیڑہ آپ کے خاندان نے اٹھایا۔

آپ کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کی قیادت میں فکر و وعظ کو تحرک اور جہد و عمل (Dynamic activity) سے روشناس کروایا۔ ان دنوں پنجاب، سرحد اور کشمیر پر سکھ حکمرانوں نے مسلمانوں کا عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا اور ان کی زندگی موت سے بدتر تھی۔ آپ نے بنگال اور مشرقی ہندوستان سے مجاہدین جمع کر کے پہلے سفر حج کیا، پھر واپس لوٹتے ہی لانگ مارچ کرتے ہوئے سندھ، بلوچستان اور افغانستان سے ہوتے ہوئے صوبۂ سرحد پر حملہ آور ہوئے۔ جہاں سید احمد شہید بریلویؒ میں فکری پختگی اور تحمل و بردباری کا عنصر نمایاں تھا وہاں شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ہاں استقامت اور فکری شدت تھی۔ سید اسماعیل شہیدؒ نے خالصتاً قرآن و حدیث کی روشنی میں، فکر عجم

سے پہلو تہی کرتے ہوئے' سادہ مذہبی طریقے اپنانے پر زور دیا تو وہاں عام لوگوں میں تذبذب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ آپ اور آپ کے تربیت یافتہ مجاہدین نے حدیث کی روشنی میں رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ پر زور دیا تو مقامی لوگوں کے لئے یہ طریق کار چونکہ بالکل اجنبی اور غیر مانوس تھا لہٰذا ان میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ پھر تصوف' خانقاہ' سماع' پیر پرستی اور دیگر ظاہری امور جو ان کے ہاں رچے بسے تھے اور وہ ان کو خالص اسلام سمجھ رہے تھے انہیں بیک قلم مسترد کر دیا گیا اور ان پر زبردست تنقید کی گئی۔

صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند کہ بھٹکے نہ پھریں ظلمت شب میں راہی

یہ صورتحال مقامی پٹھانوں کے دلوں میں وسوسوں کا باعث بنی تو ان کا تمام تر اعتماد جہادی کوششوں سے بھی اٹھ گیا اور پھر سید بادشاہ کا قافلہ تنہا رہ گیا جسے سکھوں نے بڑی آسانی سے بالاکوٹ کے مقام پر تہہ تیغ کر دیا۔ مجاہدین نے مقابلہ تو بہت کیا مگر وہ ہر طرف سے گھر چکے تھے اور اپنے ساتھ چھوڑ کے جا چکے تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جہاں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے پیرو ماسوائے قرآن و حدیث کے کوئی دوسری بات سننے سے مکمل طور پر آزاد ہو گئے وہاں حضرت سید احمد شہیدؒ کو قریباً ایک صدی تک امام غائب کا درجہ دے دیا گیا اور آپ کی شہادت سے قیامِ پاکستان تک مجاہدین کا یہی عقیدہ رہا کہ وہ زندہ ہیں اور ایک بار ضرور ظاہر ہوں گے' مگر قیامِ پاکستان کے بعد یہ عقیدہ ماند پڑ گیا۔ پھر یہ لوگ کسی نہ کسی طرح جہاد پر عمل پیرا رہے اور انگریزوں کے لئے سخت مشکلات پیدا کرتے رہے۔ انگریزوں نے انہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کی مماثلت سے "وہابی" کا نام دیا۔ یہ لوگ "فکر عجم" سے بہت دور تھے' اپنے مقصد عمل اور عقائد میں مخلص تھے اور اسلام میں صرف ان افعال و عقائد کے قائل تھے' جن کا ثبوت آنحضور ﷺ کی احادیث میں ملتا تھا۔ یہ لوگ غیر مقلد تھے اور کسی امام کی فقہ پر عمل پیرا ہونے کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ یہ تحریک آزادی افکار' اجتہاد اور خالص اسلام پر عمل پیرائی کی اعلیٰ ترین مثال تھی' مگر یہ لوگ کسی بھی طرح ان لوگوں کو برداشت نہیں کرتے تھے جو ان کی نگاہ میں مذہب میں آمیزش کے قائل تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے رومی' جامی اور دیگر شعراءِ عجم پر سخت تنقید کی۔ اس طرح کے طریق کار اپنانے کا ردِ عمل دیگر مسلمان گروہوں کی جانب سے بہت شدید تھا' جسے بوجوہ انگریزوں نے خوب ہوا دی۔ (جاری ہے)